سانپ، اور دیگر سبھی زہریلے، جانوروں کے کاٹے ہوئے
اور پرانے مشکل مریضوں کا ہومیو پیتھک علاج

سفید داغ کا 100% علاج

ڈاکٹر سہیل اعظمی
پھول پور، اعظم گڑھ (یوپی) Mob. 09839569496

نوٹ : فالج، لیکوریا اور ہائی بلڈ پریشر کا علاج

''اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (قرآن)

سہ روزہ دعوت

نئی دہلی

www.dawatonline.com

روزانہ جاپانی کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ ہوتی ہے
پاور و دھوپ کے فینسی برانڈ چشموں کا وسیع اسٹاک

چشمہ کلکشن

گووند پلازہ (بیسمنٹ میں) پرانی کوتوالی، تکیہ روڈ، ضلع اعظم گڑھ (یوپی)

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۵۹ ● ۲۸ رجون ۲۰۰۹ء ● 28June 2009 ● یک شنبہ ● ۴ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ ● قیمت =/Rs.5 ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲ ریال ● Posting: 26 June 2009 Friday

خبر ونظر

اسباب شکست کی تلاش

لوک سبھا کے حالیہ انتخابات میں جن پارٹیوں یا گروپوں کو قرار واقعی شکست ہوئی ہے اُن میں سے ایک محاذ بائیں بازو کی پارٹیوں کا بھی ہے جس کی سب سے بڑی پارٹی مارکسی کمیونسٹ پارٹی (سی پی ایم) ہے۔ یوں تو نتائج کے فوراً بعد ہی سے اس پارٹی کے رہنماؤں کے بیانات آ رہے تھے جن میں غلطیوں کا اعتراف بھی تھا، خود احتسابی کی جھلک بھی تھی اور کسی قدر ایک دوسرے کی تنقید بھی تھی۔ لیکن جون کے تیسرے ہفتے میں پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا دو روزہ اجلاس نئی دہلی میں ہوا تو اس میں شکست کے اسباب اور دیگر امور زیادہ تفصیل کے ساتھ زیر بحث آئے کہ غلطی کہاں کہاں ہوئی۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ کیا کرنا چاہئے تھا جو نہیں کیا گیا اور کیا نہیں کرنا چاہئے تھا جو کیا گیا۔ نیز یہ کہ آئندہ کیا ہونا چاہئے۔ یہ احساس عام تھا کہ گزشتہ لوک سبھا میں اپنے ۶۱ ممبروں کے ساتھ بائیں بازو کی پارٹیاں جو موثر رول ادا کرتی تھیں، اب محض ۲۴ ممبروں کے ساتھ وہ کارکردگی ممکن نہیں رہی۔ مارکسی پارٹی کم از کم اپنے اندرونی نظم کی حد تک ایک جمہوری پارٹی ہے۔ امور و مسائل پر اس کے فورموں میں کھل کر اور بے لاگ بحث ہوتی ہے۔ اجلاس کی رپورٹنگ کے مطابق یہ بات بطور خاص زیر غور آئی کہ بدلے ہوئے سیاسی حالات میں پارٹی کی حکمت عملی کیا ہونی چاہئے۔

بنیادی فلسفہ اور اس کی خامی

لیکن اخباری رپورٹنگ میں اس بات کا ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملا کہ یہ کمیونسٹ پارٹی اپنے بنیادی فلسفہ پر نظر ثانی کی ضرورت بھی محسوس کرتی ہے۔ پارٹی کا مقصد و مدعا یقیناً نیک ہے، یعنی یہ کہ ملک سے غربت کا خاتمہ ہو، تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات پوری ہوں، محنت کش طبقات کا استحصال نہ ہو، مالی وسائل چند افراد یا خاندانوں کے ہاتھوں میں مرتکز نہ رہیں۔ وسائل کی تقسیم اور آمد و صرف کا پورا انتظام حکومت کے پاس رہے۔ دنیا بھر کی کمیونسٹ پارٹیوں نے یہ فلسفہ انیسویں صدی کے جرمن فلاسفر کارل مارکس کے افکار و نظریات سے اخذ کیا تھا جس نے ''داس کیپٹل'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ سب سے بڑی خرابی اس فلسفہ کی یہ تھی کہ اس میں خدا کا انکار بنیادی حیثیت رکھتا تھا۔ مارکس کا خیال تھا کہ دنیا میں فتنہ و فساد اور غربت و استحصال کی جڑ مذہب اور خدا کا تصور ہے۔ دوسری خرابی یہ تھی کہ یہ مالی وسائل کی منصفانہ اور فطری تقسیم کی بجائے مساویانہ تقسیم کی وکالت کرتا تھا جو کہ غیر معقول، غیر عملی اور غیر حقیقت پسندانہ مطالبہ ہے۔ پھر یہ کہ اس میں حسب ضرورت تشدد کی ترغیب بھی تھی یعنی دولت مندوں، کارخانہ داروں، اور زمین داروں سے ان کی دولت و زمین زبردستی چھینی جاسکتی تھی۔ اس طرح طبقاتی کشمکش کی دعوت تھی۔

اگر وہ اپنے مقاصد پر قائم ہیں

ہندستانی اشتراکیوں نے بھی یہ فلسفہ من و عن اپنا کر کام شروع کر دیا۔ لیکن ناکام رہے، اس لئے کہ یہ غیر فطری نظریہ معیشت ۵۷ سال کسی طرح جی کر اپنی موت آپ مرگیا۔ ہندستانی کمیونسٹوں نے سرمایہ داری کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تاہم ان کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے اغراض و مقاصد پر آج بھی قائم ہیں۔ اگر یہ واقعہ ہے تو انہیں اپنا دل گردہ ذرا بڑا کر کے یعنی غیر معمولی جرأت سے کام لے کر اسلام کے نظریہ معیشت کا مطالعہ دیانتداری سے کرنا چاہئے۔ زکوٰۃ اور عشر کا نظام، سود کی حرمت کی حکمت، غیر سودی نظام بینک کاری اور قرض حسنہ کی ترغیب جیسے امور ان کی خصوصی توجہ کے مستحق ہونے چاہئیں۔ لیکن اس نظریہ معیشت کو اگر وہ آسان طریقے سے سمجھنا چاہیں تو انہیں حیات انسانی کے پورے فلسفہ پر از سر نو غور کرنا ہوگا اور دیکھنا ہوگا کہ اسلام کا نظریہ حیات کیا ہے۔ ہمیں وثوق سے نہیں معلوم کہ کارل مارکس تک قرآن پہنچا تھا یا نہیں، اور پہنچا تھا تو اس کے ساتھ اس کا رویہ کیا رہا، لیکن ایک بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اگر اپنے اغراض و مقاصد کی روشنی میں نیز اُس ہمدردی و غمگساری کے جذبے کے تحت جو قدرت نے انسانیت کے لئے اسے بخشی تھی، کارل مارکس قرآن و اسلام کا مطالعہ کرتا تو آج دنیا میں اس کے پیروکاروں کو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ (پ ر)

ان مسلمانوں کی اس حالت کیلئے ذمہ دار کون ہے؟

چھیتا، مہرات اور کٹھات اب سے سات سو سال قبل اسلام قبول کر چکے ہیں وہ آج بھی خود کو مسلمان کہتے ہیں وہ راجستھان کے ضلع اجمیر کے علاقہ بیاور میں رہتے ہیں۔ خود کو مسلمان کہنے کے باوجود وہ بظاہر دیکھنے سے عملی زندگی سے شکل و صورت سے، رہن سہن بود و باش سے تہذیب و ثقافت، وضع قطع، لباس سے کسی بھی طرح مسلمان معلوم نہیں ہوتے۔ ان کے نام بھی راہل، آکاش، مانگی لال کٹھات، راجیش جیسے ہیں۔ ہاں منگو خاں کٹھات اور گھیسو خاں پائے جاتے ہیں۔ تاہم اپنے مردوں کو دفن کرنے، حلال گوشت کھانے اور ختنہ کرانے کے معاملہ میں بہت سخت ہیں۔ خود کو مسلمان کہنے اور کہلانے کے لئے ان تین علامات اور شناختوں کے سلسلے میں وہ کسی بھی طرح سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی نگری سے متصل خود کو مسلمان کہنے و کہلانے والوں کی حالت اگر خود ان کے لئے قابل رحم اور ناگفتہ بہ ہے تو جس عظیم شخصیت حضرت خواجہ معین الدین نے بیشمار لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا تھا اور اپنے زمانے میں مسلمان بنایا تھا ان کے نام لیواؤں کے لئے یہ صورتحال شرمناک، افسوسناک اور بدنما داغ ہے۔ اتنا ہی نہیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار کی زیارت اور ان کے عرس میں ملک بھر سے بلکہ پڑوسی ملکوں تک سے آنے والے لاکھوں افراد میں شامل جو لوگ چھیتا، مہرات اور کٹھات مسلمانوں جیسے حالات سے دوچار ہیں۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات، اسلامی تہذیب و ثقافت مسلمانوں والی شکل و صورت، وضع و قطع اور لباس وغیرہ سے مرحوم ہوتے ہیں ان کی صحیح ہدایت و رہنمائی کی سب سے پہلی ذمہ داری ان سجادہ نشینوں، مجاوروں اور ان تمام لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو ان کے نذرانوں اور چڑھاووں کے سہارے زندگی گزارتے اور عیش کرتے ہیں اور جو نہ صرف یہ ایسے لوگوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و فلاح، دعوت سے آنکھیں بند کئے رہتے ہیں بلکہ ان کے اس حالت پر برقرار رہنے کو اپنی کامیابی اور فلاح و معاش و روزگار کا ذریعہ تصور کرتے ہیں یہاں تک کہ صحیح اسلامی تعلیمات ان تک پہنچانے کی کوشش کرنے والوں سے ان کو ملنے اور ربط و ضبط رکھنے تک سے منع کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ان کی گمراہی، دین اسلام سے دوری اور پسماندگی کے لئے ان لوگوں کو قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ اتنا ہی نہیں ان کی یہ بے عملی و خود غرضی ہی شیوگڑی جیسے حالات پیدا کرنے کے لئے ذمہ دار ہے جہاں مانگی لال کٹھات ایک مدت تک اسلام سے دور رہتے اور خود کو ہندو کہتے رہے اس سے بھی بڑھ کر وہ وشو ہندو پریشد کے ضلع کے عہدہ دار بن کر اسلام و مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے اور ان کے خلاف نفرت و اشتعال پھیلاتے رہے فسطائی طاقتوں کا آلہ کار بنے رہے اور اب تائب ہو کر اپنے دو پوتوں کی ختنہ کرانے پر خود اپنے بیٹے کے پولیس رپورٹ لکھانے کے نتیجہ میں تعزیرات ہند کی دفعات ۳۰۷ قتل کی کوشش۔ ۳۲۰ شدید طور پر زخمی کرنے اور ۲۹۵ اے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے الزام میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔

جیسا کہ دعوت (۳۱ رجون) میں اس سلسلہ کی مختصر رپورٹ شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر ایم اقبال صدیقی نے ریڈینس ویوز ویکلی (۲۱ تا ۲۷ رجون) میں تفصیلی رپورٹ شائع کی ہے جس میں بتایا ہے کہ شیوگڑی گاؤں میں ایک تقریب کا ماحول تھا مذکورہ برادریوں کے تقریباً ۴۰ بچوں کی اجتماعی ختنہ ہوئی تھی۔ جن میں مانگی لال کٹھات کے دو پوتے راہل اور آکاش بھی شامل تھے۔ مانگی لال خوش تھے اور اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ اس نے انہیں یہ موقع عنایت فرمایا۔ مگر یہ کیا کہ دو دن بعد ہی پولیس نے ان کے گھر پر چھاپہ مارا اور مانگی لال ان کی بیوی سکینہ اور ختنہ کرنے والے گھیسو خاں کو مذکورہ بالا دفعات کے تحت گرفتار کر کے لے گئی۔ یاد رہے کہ چھیتا، مہرات اور کٹھات تینوں کو مجموعی طور پر کٹھات کہا جاتا ہے وہ راجپوتوں کے چوہان گوتر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۰ ویں صدی میں چوہان حکمراں لاکھن سنگھ کے بیٹوں انوپ اور انہال نے اس علاقہ سے گوجروں کو کھدیڑ کر چوہان مملکت قائم کرلی تھی اور چانگ کو اپنی راجدھانی بنالیا تھا۔ انہال کی ۴۲ ویں پیڑھی میں ہرراج اور بلراج نے ۱۳۰۳ء میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ مسلم حکمراں علاؤ الدین خلجی نے ہرراج کو اس کی بہادری کی وجہ سے کٹھات کا خطاب دیا تھا جس کا مطلب ''سخت مضبوط'' ہوتا ہے تب سے اس کی نسل کے لوگ کٹھات کہلانے لگے۔ تقریباً ۱۵۰ سال بعد بلراج کی نسل کے لوگ مرتد ہو گئے۔ انہوں نے پھر سے اپنے بزرگوں کا ہندو دھرم اپنا لیا۔ تعلیم و تربیت کی کمی کی وجہ سے جو کٹھات مسلمان رہے، انہوں نے بھی اسلامی تعلیمات و روایات اور احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ محض مذکورہ بالا تین علامات تک خود کو محدود کر لیا۔ چنانچہ ان کے ہر گھر میں آج ہندو اور مسلمان دونوں طرح کے نام پائے جاتے ہیں۔ مانگی رام، ان کا بیٹا راجیش اور پوتے راہل اور آکاش بھی اس طرح کے مسلمان ہیں تاہم مانگی لال ایک مدت تک خود کو اسلام سے پوری طرح لاتعلق قرار دے کر ہندو کہتے رہے تھے وہ وشو ہندو پریشد کے ضلع کے عہدہ دار بھی رہے تھے لیکن جب چند سال قبل ان کی پہلی بیوی کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنی برادری کی روایت کے مطابق اس کو دفن کرنا چاہا اس مسئلہ پر ان کے اور ان کے وشو ہندو پریشد کے ساتھیوں کے درمیان ٹکراؤ ہوگیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے خود کو پریشد سے الگ کر لیا اور مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور ایک تقریب میں اعلان کیا کہ اب وہ ساری زندگی مسلمان رہیں گے۔ کچھ دن کے بعد انہوں نے ایک مسلم خاتون سکینہ سے دوسری شادی کرلی۔ اس وقت وہ اپنے بچوں کی مسلم شناخت کے سلسلہ میں فکرمند تھے اور اپنے پوتوں کی ختنہ کرانا چاہتے تھے اس مسئلہ پر انہوں نے اپنے بیٹے اور بہو سے بات کی جنہوں نے روایت کی بنیاد پر اپنی رضامندی ظاہر کردی۔

جب تقریب ختنہ کا دن آیا ان کا بیٹا راجیش اپنی بیوی کو ساتھ لے کر کسی کام سے جے پور چلا گیا اور دادا نے اپنے پوتوں کی ختنہ کرادی۔ بعد میں راجیش نے جو انڈین نیوی میں کام کرتا ہے اپنے باپ سوتیلی ماں اور ختنہ کرنے والے گھیسو خاں کے خلاف پولیس میں ایف آئی آر درج کرادی کہ ان کے بچوں کی ختنہ ان کی مرضی و اجازت کے بغیر انہیں مسلمان بنانے کے لئے کرائی گئی ہے۔ چھیتا، مہرات کٹھات مہاسبھا کے صدر منگو خاں کے مطابق مانگی لال کی دوسری بیوی سکینہ اپنے ساتھ اپنے سابق شوہر سے پیدا ہونے والے بیٹے قمر الدین کو ساتھ رکھے ہوئے ہے کچھ لوگوں نے راجیش کے دماغ میں یہ بات بٹھادی ہے کہ اس کا باپ مانگی لال اپنی ساری پراپرٹی اپنی دوسری بیوی کے بیٹے کو دے دے گا۔

اس لئے اس کے دماغ میں اپنے باپ کے خلاف غیظ و غضب بھڑکا دیا۔ اس لئے اس نے ایک سازش کے تحت یہ ایف آئی آر درج کرائی اس سلسلہ میں منگو خاں اور مہاسبھا کے دوسرے عہدہ داروں نے جے پور میں ایک پریس کانفرنس کر کے میڈیا والوں سے واضح الفاظ میں کہا کہ وہ گزشتہ ۷۰۰ سال سے مسلمان ہیں اور ختنہ ان کی ایک قدیم روایت اپنے بیٹوں کو ختنہ کرانے سے کسی کے دھرم تبدیل کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ محض ایک گھریلو تنازعہ ہے اس میں کسی دوسرے شخص یا تنظیم کو مداخلت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے باوجود جب مانگی لال کو بیاور میں مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا، وشو ہندو پریشد کے کارکنوں نے بڑی تعداد میں جمع ہو کر نعرے لگانا شروع کر دیئے اس دوران جب ایک نوجوان بھنوار و کٹھات نے مانگی لال کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تو فسطائی تنظیموں کے سماج دشمن عناصر اس کے پیچھے دوڑ پڑے حیرت انگیز امر یہ ہے کہ راجستھان میں کانگریس کے اشوک گہلوت کی حکومت ہوتے ہوئے پولیس والوں نے بھنواروں کو بچانے کی کوشش کرنے کی بجائے بی جے پی کی حکومت والے طرز پر خود اسی کو دفعہ ۱۵۱ کے تحت نقض امن کے الزام میں گرفتار کرلیا۔ ادھر بیاور کی بار ایسوسی ایشن نے اعلان کر دیا کہ کوئی وکیل مانگی لال کے کیس کی پیروی نہیں کرے گا۔ تب مہاسبھا نے اجمیر سے ایک وکیل کو بلایا اس وقت مانگی لال جوڈیشیل کسٹڈی میں ہے فسطائی طاقتیں سرگرم ہیں ریاستی حکومت اور پولیس ان کی پشت پناہی کر رہی ہیں اور جو لوگ ان مسلمانوں کو صحیح راہ کی رہنمائی کر سکتے تھے وہ خود کو نذرانے وصول کرنے تک محدود کئے ہوئے ہیں خود مسلمانوں کی فلاح کا کام کرتے ہیں نہ کرنے دیتے ہیں۔

(ع ق)

فرانس میں مسلم خواتین کو بے پردہ کرنے کی مہم

فرانس جہاں اسکولوں میں مسلم طالبات کے اسکارف باندھنے پر پہلے ہی پابندی عائد کی جاچکی ہے۔ اب ایک قدم اور آگے بڑھ کر ملک میں مسلم خواتین کو بے پردہ کرنے اور انہیں مغربی تہذیب کی بے حیائی اور بے راہ روی کے ماحول میں ڈھکیلنے کی مہم شروع کر دی گئی ہے۔ حکومت کی طرف سے جس طرح کے بیانات آ رہے ہیں اور سرکاری سطح پر جو کارروائیاں چل رہی ہیں ان سے لگتا ہے کہ مستقبل میں برقع اور حجاب پر بھی پابندی لگائی جاسکتی ہے یعنی مسلم خواتین کے اسلامی تشخص پر ضرب لگائی جاسکتی ہے، پردے کے ساتھ ان کا گھر سے نکلنا مشکل ہوسکتا ہے۔ خلاف ورزی کی صورت میں ان کے خلاف قانونی کارروائی ہوسکتی ہے۔ چند دنوں کے اندر یہ مسئلہ جس تیزی کے ساتھ آگے بڑھا ہے کوئی بھی سمجھ سکتا ہے کہ فرانس کی سرکوزی حکومت مسلم و اسلام دشمنی پر کس قدر آمادہ ہوگئی ہے۔

فرانس یورپ کا واحد ایسا ملک ہے جہاں سب سے زیادہ تقریباً پانچ ملین مسلم آبادی ہے اور وہاں زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمان آگے آگے نظر آتے ہیں۔ اس کے باوجود وہاں کے مسلمان سب سے زیادہ حکومت کے نشانہ پر ہیں۔ دہشت گردی کی آڑ میں مسلم اداروں خصوصاً مساجد کی نگرانی کافی عرصے سے کی جارہی ہے۔ وہاں کیمرے تک نصب کر دیئے گئے ہیں اور اب اسلامی تشخص پر حملہ کیا جا رہا ہے۔ اسی ضمن میں ۲۰۰۴ء میں یونیفارم کے نام پر اسکولوں اور دفاتر اسکارف باندھنے پر پابندی لگائی گئی تھی اور اب سیکولر اقدار اور انفرادی آزادی کے نام پر حجاب اور برقع پر پابندی یا دوسرے الفاظ میں گھر کی چہار دیواری سے باہر مسلم خواتین کو بے پردہ کرنے کی باتیں کی جارہی ہیں۔ اس بابت تقریباً ۶۰ ممبران پارلیمنٹ نے ایک تجویز پر دستخط کر کے ملک میں مسلم خواتین کے برقعہ پہننے کے بڑھتے ہوئے رجحان کے اسباب کا پتہ لگانے کے لئے ایک پارلیمانی کمیشن کے قیام کا مطالبہ کیا ہے۔ حکومت اس معاملہ میں کتنی سنجیدہ ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملکی پارلیمنٹ کی تاریخ میں ۱۳۶ سال بعد جب پہلی بار فرانس کے صدر نکولس سرکوزی نے ۲۲ رجون کو خصوصی مشترکہ اجلاس سے خطاب کیا تو انہوں نے حجاب اور برقعہ کو ہی اپنی تقریر کا مرکزی موضوع بتایا اور اسے مذہبی علامت کے بجائے غلامی کی علامت بتاتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہ خواتین کو دوسرے درجہ کا شہری بناتا ہے جو نہیں ہے۔ پارلیمانی کمیشن کی تشکیل سے قبل ہی مسٹر سرکوزی نے جس طرح برقعہ پر پابندی کی حمایت کا اعلان کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھی صرف کہیں سے پہل کی منتظر تھی۔ جیسے ہی یہ معاملہ ممبران پارلیمنٹ کی طرف سے اٹھایا گیا۔ پہلی فرصت میں سرکوزی نے اس کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ اب پابندی کے لئے بہانہ تلاش کرنے کی خاطر پارلیمانی کمیشن تشکیل دینا اور اس کی رپورٹ پابندی کے حق میں پیش کرا کے آگے کی کارروائی کرانا باقی ہے۔ ویسے بھی اسکولوں اور دفاتر میں اسکارف پر پابندی کے بعد حکومت کے حوالے بڑھے ہوئے ہیں اور وہ برقعہ پر بھی آسانی سے پابندی لگا سکتی ہے۔

فرانس میں اگر برقعہ پر پابندی لگائی گئی تو یہ یورپ کا تیسرا ملک ہوگا۔ اس سے قبل ہالینڈ اور اٹلی میں پابندی لگائی جاچکی ہے۔ برطانیہ جہاں ۲۰۰۷ء میں حجاب اور اسکارف پر پابندی لگائی گئی تھی، اس میں ڈھیل دے دی گئی ہے لیکن پھر وہاں بھی اس کی مہم چلائی گئی۔ ۲۰۰۶ء میں سابق وزیر خارجہ جیک اسٹرا کے اس بیان پر کافی ہنگامہ ہوا اور اسے اسی تناظر میں لیا گیا کہ وہ جب کسی سے بات کرتے ہیں اور اسے دیکھ نہیں پاتے ہیں تو انہیں پریشانی ہوتی ہے۔ ۲۰۰۵ء میں انسانی حقوق کی یورپی عدالت نے بھی اپنے ایک فیصلہ میں یہ بات کہی تھی کہ برقعہ پر پابندی جائز ہے۔ برقعہ اور اسکارف پر پابندی کے معاملہ میں مسلم ملک ترکی سب سے آگے ہے۔ وہاں صدر کمال اتاترک نے

باقی صفحہ ۸ پر

بلاتبصرہ

کمیونسٹوں کو عام آدمی کے لیے گھڑیالی آنسو بہانا بند کر دینا چاہیے۔ دوسروں پر تنقید کرنے کے بجائے سیتارام ایچوری کو پہلے اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ان کی پارٹی نے گزشتہ تیس برسوں میں مغربی بنگال کے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کیا کیا۔ ریاست کی ترقی اور عوام کو فائدہ پہنچانے میں پارٹی کی نااہلی ماؤ نوازوں کے ابھرنے میں مددگار ثابت ہوئی ہے۔ غریب آدمی غذا، پانی، صحت اور بجلی جیسی بنیادی ضروریات کے لیے ترس رہا ہے جبکہ ایچوری اور دوسرے کیڈرس شاہانہ زندگی گزار رہے ہیں۔

دیویندر نارائن، بذریعہ ای میل
ہندوستان ٹائمز، ۲۲ رجون ۲۰۰۹ء

آسٹریلیا میں ہندوستانیوں پر تشدد جاری

آسٹریلیا میں ہندوستانی طلبہ پر حملے جاری ہیں، حالانکہ حکومت ہند کی جانب سے آسٹریلیا کی حکومت کو بار بار متوجہ کیا جاچکا ہے اور آسٹریلیا کی حکومت نے بھی اس کی یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ اس کا نہ صرف سختی سے نوٹس لے گی بلکہ اس سلسلہ میں ٹھوس قدم بھی اٹھائے گی، تازہ واقعہ آسٹریلیا کے شہر ملبورن میں پیش آیا ہے۔ حیدر آباد سے تعلق رکھنے والے ایک طالب علم کو شہر کے ریلوے اسٹیشن کے قریب بری طرح زدوکوب کیا گیا، بتایا جاتا ہے کہ وہ اس بری طرح زخمی ہوا ہے کہ کئی ٹانکے لگے ہیں۔ یہ ۲۰ سالہ حیدر آبادی نوجوان ملبورن میں واقع وکٹوریا انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی میں ہسپتالٹی کا کوئی کورس کر رہا ہے۔ ایک رپورٹ میں یہ بتایا گیا ہے کہ دو لوگ اس پر اس وقت ٹوٹ پڑے جب وہ ریلوے اسٹیشن کے قریب سے گزر رہا تھا۔ وہ دونوں قفقازی معلوم ہو رہے تھے اور انہوں نے جیکٹ پہن رکھی تھی۔ رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ حیدر آبادی نوجوان ایم اے خاں کو گہری چوٹیں آئی ہیں۔ اس پر یہ حملہ بلا اشتعال تھا یعنی خاں کا اس میں کوئی قصور نہیں تھا، دوسرا واقعہ بھی اس شہر میں پیش آیا۔ ایک ہندوستانی ٹیکسی ڈرائیور گلشن کمار پر کچھ لوگوں نے حملہ کیا۔ یہ واقعہ شہر کے Clagtion علاقے میں پیش آیا، بتایا جاتا ہے کہ کسی شخص نے اسے طلب کیا تھا، جب وہ وہاں پہنچا تو ان لوگوں نے اسے مارا پیٹا۔ بعد ازاں خان کو علاج کے لئے ایک مقامی ہسپتال میں داخل کرایا گیا، بتایا جاتا ہے کہ رواں ماہ میں اس طرح کا یہ سولہواں واقعہ تھا۔

آسٹریلیا میں ہندوستانی طلبہ کی تعداد کافی ہے، وہاں کے مختلف شہروں میں یہ مختلف تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم ہیں۔ بڑی بڑی فیس دے کر یہ یہاں داخلہ لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد ۸۰ ہزار سے بھی متجاوز ہے، آسٹریلیا کی حکومت کو اس سے مالی فائدہ بھی کافی ہوتا ہے اس لئے کہ یہ اس کی ایک مستقل آمدنی کا ذریعہ ہے۔ برسوں سے ہندستانی طالب علم حصول تعلیم کے لئے آسٹریلیا جا رہے ہیں۔ ہندوستانی نژاد افراد کی ایک بڑی تعداد بھی یہاں موجود ہے۔ آسٹریلیا کے بارے میں یہاں یہ تصور

باقی صفحہ ۶ پر

امریکہ کو شمالی کوریا کی دھمکی

سیول- شمالی کوریا نے امریکہ کو دھمکی دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اس نے شمالی کوریا پر حملہ کیا تو اسے بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا۔ شمالی کوریا کی طرف سے حالیہ میزائل تجربات کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی ہے۔ اقوام متحدہ نے اس پر نئی پابندی لگائی ہے۔

اسرائیل موجودہ ایرانی حکومت کیخلاف

برلن- اسرائیل کے وزیر اعظم بنجامن نیتن یاہو نے جرمن کے ایک روزنامہ کو دیئے گئے انٹرویو میں کہا کہ اگر ایران میں نئی حکومت قائم ہوجاتی ہے تو ایران اور اسرائیل کے درمیان پرامن تعلقات قائم ہوسکتے ہیں۔ دونوں ملکوں کے عوام کے درمیان تعلقات میں کوئی کشیدگی نہیں ہے۔ ایران میں دوسری قیادت کے تحت سرکاری سطح پر تعلقات بہتر ہوسکتے ہیں۔

مصر-اسرائیل بات چیت

قاہرہ- مصر کے صدر حسنی مبارک اور اسرائیل کے وزیر دفاع ایہود بارک کے درمیان یہاں بات چیت میں دو ریاستی حل کی بنیاد پر مغربی ایشیا امن مذاکرات کو دوبارہ زندہ کرنے اور ایران کی جوہری توقعات کے سبب ہونے والے چیلنجز پر غور کیا گیا۔ میٹنگ کے بعد اسرائیل کے وزیر دفاع نے کہا کہ اسرائیلی حکومت مسئلہ کے حل کے تئیں پرعزم ہے جب کہ مصری صدر نے کہا کہ امن معاہدہ ممکن ہے لیکن اسرائیل کو مغربی کنارے پر مقبوضہ علاقوں میں ناجائز بستیوں کی تعمیر روکنی ہوگی۔

برطانوی وزیر اعظم مستعفی نہیں ہونگے

لندن- برطانیہ کے وزیر اعظم گورڈن براؤن نے کہا ہے کہ عام انتخابات ہونے تک ان کا عہدے سے دستبردار ہونے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ انہیں کرسی کا کوئی لالچ نہیں ہے لیکن کساد بازاری کا سامنا کرنے والے عوام کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔

ہنگاموں میں مغرب کا ہاتھ/ایران

تہران- ایرانی وزارت خارجہ کے ترجمان حسن قشقاوی نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ ۱۲ رجون کے صدارتی الیکشن کے بعد سے اسلامی جمہوریہ میں جو بھی ہنگامے ہورہے ہیں اس میں مغرب کا ہاتھ ہے۔ مغربی میڈیا اور قوتیں انارکی اور غنڈہ گردی پھیلا رہی ہیں جو قابل قبول نہیں ہے، کئی یورپی ممالک اور امریکہ میں لوگوں کو جمہوری نظام کے قیام کے بجائے فساد کی حمایت کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔

بنگلہ دیش کی آزادی کا سہرا

ڈھاکہ- بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی کے لیڈر مودود احمد نے ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کو افسوسناک بتایا ہے کہ جس میں عدالت نے کہا تھا کہ ۱۹۷۱ء کی آزادی کا اعلان شیخ مجیب الرحمٰن نے کیا تھا نہ کہ ضیاء الرحمٰن نے جیسا کہ سرکاری دستاویزوں میں کہا گیا ہے کہ عدالت نے اپنے فیصلے میں کہا ہے کہ پاکستانی جوانوں کی گرفتاری سے پہلے ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کی شب میں ہی شیخ مجیب الرحمٰن نے آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ فیصلہ سے سابق صدر ضیاء الرحمٰن کو اس سلسلہ میں اعزاز دینے کے ان کے حامیوں کے دعوے کو ہی ختم کر دیا۔

جوہری اسلحہ میں کمی کا معاہدہ

ایمسٹرڈم- روس کے صدر دیمتری میدویدیف نے امریکی صدر بارک حسین اوباما کے ساتھ جوہری ہتھیار کم کرنے کے معاملہ پر جولائی میں ہونے والی سربراہ میٹنگ سے پہلے کہا ہے کہ ان کا ملک جوہری اسلحہ کم کرنے کے لئے تیار ہے۔ واضح رہے کہ ۲۰۰۲ء کے معاہدے کے تحت دونوں ملکوں کو جوہری اسلحہ کی تعداد ۱۷۰۰ سے گھٹ کر ۲۲۰ کرنا ہے۔ جولائی میں اس معاہدہ پر پھر بات چیت ہوگی۔

ایران کی موجودہ سیاسی کشمکش کا ایک جائزہ

ایم کے بھدرکمار (سابق سفارتکار)

ایران میں اس وقت جو کچھ ہورہا ہے چین کی طرف سے اب تک اس سلسلے میں کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا گیا تھا لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ اوباما انتظامیہ ایران کے معاملے میں اپنے موقف سے پھرنے لگی ہے تو اس نے اپنی خاموشی توڑ دی اور پہلی مرتبہ حکومت کے زیر کنٹرول روزنامہ 'چائنا ڈیلی' (China Daily) میں جمعرات کے دن (۱۸/ جون ۲۰۰۹ء) اس پر اداراتی تبصرہ کیا گیا، جس کا عنوان 'پیس ان ایران' (Peace in Iran) تھا۔ اس اداراتی تبصرہ کا پس منظر وہ خبریں اور رپورٹیں بتائی جاتی ہیں جو مغربی میڈیا کی طرف سے پھیلائی گئی ہیں اور ان میں یہ کہا گیا ہے کہ ایران کے سابق صدر علی اکبر ہاشمی رفسنجانی قم کے علماء کو گارجین کونسل (شوریٰ نگہبان) پر دباؤ ڈالنے کے لئے ہموار کررہے ہیں اور ان کے ذریعے رہبر اعلیٰ خامنہ ای کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ وہ گزشتہ جمعہ (۱۲/ جون ۲۰۰۹ء) کے انتخابی نتائج کو کالعدم قرار دے دیں۔

بیجنگ کو اندیشہ ہے کہ اگر ایسا ہوا تو تصادم اور ٹکراؤ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوجائے گا، لہٰذا اس نے مسٹر بارک حسین اوباما کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ تقریر قاہرہ میں کئے گئے اپنے وعدے پر قائم رہیں اور مشرق وسطیٰ کے سلسلے میں امریکہ نے ماضی میں جو غلطیاں کی ہیں اسے نہ دہرائیں۔ واضح رہے کہ مسٹر اوباما نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ امریکہ کا ۱۹۵۳ء میں محمد مصدق کی منتخب حکومت کا تختہ الٹنا ایک ہولناک غلطی تھی۔

بیجنگ نے امریکہ کو خبردار کیا ہے کہ ایران کا تعلق دنیا کے اس خطے سے ہے جو آتش فشاں کی مانند ہے جو معمولی سی غلطی سے بھی پھٹ سکتا ہے اور اس نے عوامی بے چینی کو وہ جن قرار دیا ہے جو ابھی بوتل میں بند ہے۔ چین کا کہنا ہے کہ امریکہ کو ایسا کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہئے جس سے یہ جن بوتل سے باہر آجائے، یہ حرکت آتش فشاں کے پھٹ پڑنے کا موجب بھی بن سکتی ہے، دریں اثناء چین نے مشرق وسطیٰ کے سلسلے میں اپنے خصوصی ایلچی ووسائک (Wu Sike) کو خطے کے ایک تفصیلی دورے پر روانہ کردیا ہے۔ وہ گزشتہ ہفتہ کے روز (۱۹/ جون ۲۰۰۹ء) کو اپنے پندرہ روزہ تفصیلی دورے پر نکل پڑے ہیں۔ اس دورے کا مقصد قاہرہ، تل ابیب، امان، دمشق، بیروت اور رام اللہ کے سیاسی درجۂ حرارت کا اندازہ کرنا ہے۔ اس کا اختتام روس کے دورے پر ہوگا جہاں وہ روسی حکام کے ساتھ صلاح ومشورہ کریں گے جو بڑا معنی خیز ہے۔

پچھلے سہ شنبہ یعنی ۱۶/ جون ۲۰۰۹ء کو روس کے شہر یکٹرن برگ میں منعقدہ شنگھائی تعاون کونسل (ایس سی او) کی سربراہ کانفرنس کے دوران چینی صدر ہوجنتاؤ اور ایران کے نومنتخب صدر محمود احمدی نژاد کی ملاقات ہوئی جو پہلے سے طے تھی، اس موقع پر بھی چین کی طرف سے ایک سیاسی بیان جاری کیا گیا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ (چینی صدر) ایس سی او سربراہ کانفرنس کے بعد جب اپنے سرکاری دورے پر ماسکو جائیں گے تو اپنے روسی ہم منصب دمتری میدے دوف کے ساتھ بھی ایران کی موجودہ صورتحال پر تبادلہ خیال کریں گے۔ واضح رہے کہ ماسکو کی طرف سے محمود احمدی نژاد کو ایران کا دوبارہ صدر منتخب ہونے پر تہنیت کا پیغام بھیجا گیا تھا۔ یہ بھی یاد رہے کہ چین اور روس دونوں 'رنگین' انقلابات، (Colour revolutions) کو قابل مذمت ہی نہیں بلکہ قابل نفرت سمجھتے ہیں۔ اس کو وہ اسی طرح کی سازش سے تعبیر کرتے ہیں جس سے روس کو چند ماہ پہلے مولدووا میں سابقہ پیش آچکا ہے۔ روس اس کو امریکہ کی مداخلت پسندانہ حکمت عملی سے تعبیر کرتا ہے اور اس پر اپنی سخت ناپسندیدگی کا اظہار بھی کرچکا ہے۔

چین کو اس کا اندازہ تھا کہ محمود احمدی نژاد کی فتح پر شدید اور زبردست ردعمل ہوگا، اس کا اندازہ پیر کے دن (۲۲/ جون ۲۰۰۹ء) کو دی گلوبل ٹائمز میں چھپنے والے ایک مضمون سے ہوتا ہے جس میں چین کے ایک سابق سفیر برائے ایران ہوالمنگ (Hua Liming) کی اس رائے کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ ایران میں حالات معمول پر اس وقت آسکتے ہیں جب ایران کے اندر موجود طاقت کے تمام اہم مراکز کے درمیان تصفیہ ہوجائے اور وہ کسی ایک بات پر متفق ہوجائیں۔ اگر ایسا نہیں ہوسکا تو تھائی لینڈ جس بحران سے گزر رہا ہے یہاں بھی وہی کچھ ہوگا۔ چینی سفارت کار کا ایران کے حالات کو تھائی لینڈ کے حالات کے مشابہ بتانا چشم کشا ہے۔ مسٹر ہوا (Hua) نے یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ محمود احمدی نژاد کو ملک میں خاصی مقبولیت حاصل ہے، ملک و قوم کے وفاداروں اور ملک وقوم کے لئے جانثاری کا ثبوت پیش کرنے والوں کے اس ملک میں انہیں یہ مقبولیت اس لئے حاصل ہے کیونکہ ان میں اپنا مدعا ظاہر کرنے اور مافی الضمیر صاف اور واضح انداز میں ادا کرنے کا حوصلہ پایا جاتا ہے اور ان میں اپنی پالیسیوں کو روبہ کار لانے کی اہلیت اور بوتا بھی موجود ہے۔ چین کی اعلیٰ تعلیم یافتہ برادری یعنی اسکالروں کی متفقہ رائے بھی یہی ہے کہ احمدی نژاد کا دوبارہ منتخب ہونا مسٹر اوباما کے لئے کڑی 'آزمائش' ہے۔

گویا کہا جاسکتا ہے کہ چائنا ڈیلی کا اداراتی تبصرہ اوباما انتظامیہ کیلئے ایک اپیل کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں یہ پیغام دیا گیا ہے کہ اوباما انتظامیہ نے مشرق وسطیٰ کے لئے جو نئی پالیسی ترتیب دی ہے اس کو اپنے ہی ہاتھوں تباہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ حوصلہ افزا اقدام کے ذریعے اس کو آگے بڑھانا چاہئے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ اس میں احمدی نژاد کی انتخابی فتح کو درست قرار دیا گیا ہے۔ اخبار کہتا ہے کہ جیت اور ہار انتخابی سکے کے دو رخ ہیں مگر بعض امیدوار اعتراف شکست سے ہچکچا رہے ہیں۔ اس نے واشنگٹن پوسٹ اخبار میں شائع ہونے والے اس ماقبل انتخاب عوامی سروے (اوپنین پول) کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں یہ دکھایا گیا تھا کہ احمدی نژاد کو اپنے حریف پر ۱-۳ کی سبقت حاصل ہے یعنی دونوں کے درمیان واضح فرق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر احمدی نژاد کو دو ووٹ ملیں گے تو ان کے حریفوں کو ایک) ایران کے اندر جو عوامی سروے کرائے گئے ان میں بھی کم وبیش یہی بات کہی گئی تھی۔ جبکہ فی الواقع ان کی فتح اور ان کے حریفوں کی ناکامی کے درمیان فرق اتنا نہیں ہے یعنی وہ اس سے (ماقبل اوپنین پول میں) کہیں کم فرق کے ساتھ کامیاب ہوئے ہیں، اس لئے احمدی نژاد کے سیاسی حریفوں نے ان پر بدعنوانی کا جو الزام عائد کیا ہے، بڑا تعجب خیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اخبار مذکور کے اداراتی تبصرے میں خبردار کیا گیا ہے کہ نام نہاد رنگین انقلاب (Colour revolutions) کو مسلط کرنے کی کوشش ملک کو انارکی (طوائف الملوکی) کی طرف لے جائے گی اور جو بہت خطرناک ثابت ہوگی۔ ایک غیر مستحکم ایران کسی کیلئے بھی مفید نہیں ہوگا اور یہ صورتحال کسی کے حق میں نہیں جائے گی۔ لہٰذا جو لوگ مشرق وسطیٰ میں بالخصوص اور پوری دنیا میں بالعموم امن قائم کرنا چاہتے ہیں انہیں یہ بات سمجھ لینی چاہئے۔ اس نے انگلی رکھ کر یہ بتایا ہے کہ امریکہ نے سرد جنگ کے دوران ایران میں مداخلت کی جس پالیسی پر عمل کیا یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج امریکہ۔ ایران تعلقات میں بدمزگی پائی جاتی ہے بلکہ بے انتہا خراب ہیں اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ امریکی صدور نے ایران کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی پالیسی پر عمل کیا۔

بیجنگ کو ایران کی انقلابی سیاست کے اسرار ورموز اچھی طرح معلوم ہیں، چین کا شمار دنیا کے ان چند ملکوں میں ہوتا ہے جس نے مسٹر خامنہ ای کا بہ حیثیت صدر اپنے ہاں شاندار خیر مقدم کیا تھا اور دو بار ایسا کیا۔ پہلی بار ۱۹۸۱ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۹۸۹ء میں، دوسری طرف ہندوستان وہ ملک ہے جو ایران کے انقلاب اور اس کی Legacy کے بارے میں ہمیشہ گومگو کی حالت میں رہا اس کے باوجود کہ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے اور ایران کے مابین گہری تمدنی وثقافتی مماثلتیں پائی جاتی ہیں اور دونوں ملک اس سطح پر مضبوط مراسم میں بندھے ہوئے ہیں۔ گومگو کی اس حالت کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ وہ خامنہ ای کے جمہوریت پسندی کے سیاسی اصول کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ ہندوستان کے اکثر اشراف (طبقہ اولیٰ سے تعلق رکھنے والے ارباب دانش اور ارباب بست وکشاد) کو تو شاید یہ بھی نہیں معلوم کہ اس وقت کے اشتراکی رجحان رکھنے والے ایران کے بیشتر نوجوانوں کی مانند خامنہ ای نے بھی ماسکو کی پیٹرس لومبا یونیورسٹی (Patrice Lumumba University) میں ہی تعلیم حاصل کی ہے۔ گزشتہ سہ شنبہ یعنی ۱۶/ جون ۲۰۰۹ء کو یکٹرن برگ میں ہوجنتاؤ اور احمدی نژاد کے درمیان ہونے والی ملاقات نے ایک بار پھر اس حقیقت کو اجاگر کردیا کہ بیجنگ کو ایرانی سیاست کے مالہ وماعلیہ اور مدوجزر کا پورا پورا علم وادراک ہے۔ مسٹر ہوجنتاؤ نے احمدی نژاد سے جس طرح ملاقات کی اور انہیں جو عزت بخشی اس سے اس کی تصدیق ہوجاتی ہے کہ بیجنگ محمود احمدی نژاد کو ہی ہم سخن کا درجہ دیتا ہے۔

چین کے ذرائع ابلاغ بھی ایران کے سلسلے میں امریکی ردعمل پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ خاص طور پر رنگین انقلاب کے امریکی رویے پر، چین نے امریکی نیت اور اس کے ارادوں کو بھانپ لیا ہے۔ اس کیفیت نے اسے کافی محتاط بنا دیا ہے۔ اب اس بات کے واضح اشارے ملنے لگے ہیں کہ امریکی انتظامیہ نے ایرانی سیاست میں سرگرم دلچسپی کا آغاز کردیا ہے یعنی امریکی دست اندازی کا سلسلہ شروع ہوچکا ہے۔ واضح رہے کہ ہاشمی رفسنجانی کیمپ نے ہمیشہ سے مغرب کے لئے راہداری کھلی رکھی ہے۔ ایسا محسوس ہورہا ہے کہ امریکہ کے 'رنگین انقلاب' مسٹر رفسنجانی کے قم کے قدامت پسند علماء کے ساتھ رابطے اور مسٹر موسوی کے انوکھے متمردانہ انداز پر مبنی ایک منصوبہ تیار ہورہا ہے۔ ادھر مسٹر اوباما کے سامنے بے شمار چیلنج منھ پھاڑے کھڑے ہیں۔ Helerie Cooper کے دی نیویارک ٹائمز نے اپنی جمعرات کی اشاعت میں یہ خبر دی ہے کہ ایک طرف (اسرائیل نواز) قدامت پرست ہیں جو واشنگٹن میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ انھوں نے تہران میں ہونے والے آئے دن کے مظاہروں سے حوصلہ پاکر یہ مطالبہ شروع کردیا ہے کہ مسٹر اوباما کو مظاہرین کے ساتھ اظہار یکجہتی کرنی چاہئے اور اس کے لئے واضح قدم اٹھانا چاہئے۔ مگر ٹھیک اس وقت حکومت کی تبدیلی کی وجہ سے ایران اور امریکہ کے درمیان متوقع رابطے میں یقیناً تاخیر ہوگی اس سے مسٹر اوباما کی اس امید پر اوس پڑجائے گی کہ مذاکرات کا عمل سال رواں کے اواخر میں شروع ہوجائے گا۔ ادھر ایران کی نیوکلیائی تنصیبات میں افزودگی کا عمل جاری رہے گا۔ علاوہ ازیں اگر ایران میں طاقت کا مرکز اور ڈھانچہ کمزور رہا تو اس کا افغانستان پر بھی اثر پڑے گا اور امریکہ کو وہاں سیاسی استحکام لانے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان سب کے باوجود اوباما انتظامیہ کے اعلیٰ حکام جیسے نائب صدر جوزف بائیڈن اور وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن چاہیں گی کہ امریکہ ایرانی بحران کے سلسلے میں سخت موقف اختیار کرے۔ محترمہ کوپر یہ کہتی ہیں کہ یہ تمام عناصر مسٹر اوباما پر سخت دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ ایران کی اس نازک اور عبوری گھڑی میں تاریخ کے غلط دھارے کے ساتھ بہنے کا خطرہ مول لیں۔

اس سیاسی بے کلی واضطراب کا ایک علمی پہلو یہ بھی ہے، مسٹر اوباما ایک ایسے سیاستداں ہیں جو عقل ودانش رکھتے ہیں جن کے پاس ایک نکھرا ہوا تاریخی شعور بھی ہے، لہٰذا انہیں اس کا شعور بھی ہونا چاہئے کہ ایران میں جمہوریت پسندی وجمہوریت نوازی کی حوصلہ افزائی کے ارادے کو اس وقت سب سے زیادہ خطرہ قدامت پرست اور علماء پر مشتمل انتظامیہ سے ہے جو اس کی کوشش کررہی ہے کہ اس نئی پہل کا ارادہ ترک کردیا جائے۔ یہ راہ کانٹوں بھری اور پرپیچ ہے۔ مسٹر موسوی اس سوچ کے حامل علماء کے مہرے ہیں جنہیں یہ ڈر ہے کہ اگر احمدی نژاد کو مزید چار سال مل گئے تو ان کے مفادات پر کاری ضرب لگے گی۔ مسٹر احمدی نژاد نے سماجی انصاف اور بدعنوانی کے خاتمے کی جو مہم چھیڑ رکھی ہے وہ علماء کو بے اختیار بھی بنادے گی اور ایرانی معیشت کے لئے دودھ دینے والی گائے یعنی تیل کی صنعت سے بھی دور کردے گی۔

دنیا پرست علماء (بازار کے اشتراک و اتحاد کے ساتھ) اور جمہوریت پسندوں کی جنگ بہت پرانی ہے۔ یہ دونوں ۱۹۷۹ء کے ایرانی انقلاب کے وقت سے ہی باہم دست وگریباں ہیں۔ اس وقت تو وہ پارٹی کے فدائین انقلاب کے اصل پاسداران تھے۔ لیکن ان سے قیادت مذکورہ علماء نے اچک لی۔ یہ جذبہ کھل کر اس وقت سامنے آگیا جب امریکیوں کے اغوا کا واقعہ پیش آیا اور یہ بحرانی کیفیت ۴۴۴ دن تک جاری رہی۔ امریکہ کے ساتھ اس آویزش نے شیعہ علماء کے اس طبقے کو جو ناتوانی کا شکار تھا ایک ایسے ردعمل کے اظہار کا موقع فراہم کردیا جس نے ترقی پسند انقلابی قیادت کو نہ صرف کنارے لگا دیا بلکہ ایک طرح سے اس کا صفایا کردیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ امریکہ ایک بار پھر ایران کی اس مخصوص صورتحال کا بنیادی طرفدار بن کر ابھرا۔

آیت اللہ خمینی ایران کے مذکورہ علماء سے پریشان بلکہ بیزار تھے لہٰذا انھوں نے پاسداران انقلاب کے نام سے ایک حفاظتی دستہ ترتیب دیا۔ (آج خامنہ ای کی اصل طاقت بھی یہی ہے) اس کا مقصد ایرانی انقلاب کو مذکورہ علماء کی دستبرد سے محفوظ رکھنا تھا تاکہ وہ اسے کہیں اچک نہ لے جائیں۔ ان کا اپنا خیال اور پسند یہ تھی کہ حکومت کی باگ ڈور غیر علماء کے ہاتھ میں رہے۔ انقلاب کے بالکل ابتدائی دور میں ہی بہشتی، رفسنجانی درجائی کے تکون نے اس کی سازش رچی کہ کسی طرح سیکولرسٹ یعنی غیر عالم صدر بنے صدر کو اقتدار سے باہر کیا جائے۔ وہ خمینی کے خاص آدمی تھے۔ اس تکون کا ایجنڈا ایران کو ایک جماعتی تھیوکریٹک اسٹیٹ بنانا تھا۔ یہ ایران کی انقلابی تاریخ کے کندہ نقوش ہیں، شاید جارج ڈبلیو بش کی عقل ودانش اس سے دھوکہ کھاگئی، لیکن مسٹر اوباما کو مسٹر رفسنجانی کی سیاست کی پرفریبیوں اور پرفریب چالوں سے آگاہ رہنا چاہئے۔

اگر مسٹر رفسنجانی کی چال کامیاب ہوگئی تو ایران ایک دن خلیج فارس میں ایک 'مغرب نواز' زوال پذیر پولیس چوکی بن جائے گا۔ کیا کوئی بے اعتبار حکومت کبھی پائیدار ومستحکم ہوسکتی ہے۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ کیا مسٹر اوباما یہ چاہتے ہیں کہ ایرانیوں کیلئے یہ مقدر ہوجائے۔ عرب کی گلیاں دیکھ رہی ہیں۔ مسلم دنیا میں ایران جیسی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی کہ جہاں عوام کو اختیارات حاصل ہوں، ایران کی غریب آدمی نے جو احمدی نژاد کی اصل طاقت ہے بدعنوان اسٹیبلشمنٹ کو مسترد کردیا ہے۔ اس نے رفسنجانی خاندان سے اپنی نفرت کو بھی پوشیدہ نہیں رکھا ہے۔

افسوس اس کا ہے کہ واشنگٹن کے سیاستدانوں کو بازنطینی دنیا کے ایرانی علماء کی حقیقت کا ادراک نہیں ہے۔ اسرائیلی لابی پر انھوں نے تکیہ کر رکھا ہے اور انہیں صرف یہ معلوم ہے کہ 'حکومت تبدیل' ہونی چاہئے۔ رنگین انقلاب لانا ان کا خواب ہے۔ مگر انہیں یہ معلوم ہوجانا چاہئے کہ اس کے نتائج اس سے بھی زیادہ برے ہوں گے جس کا مزہ انھوں نے یوکرین میں چکھ لیا ہے۔ ایران ایک علاقائی طاقت کا نام ہے۔ اگر وہ گری تو اس کا ملبہ دور دور تک پہنچے گا۔ آج کے امریکہ میں نہ اتنا بوتا ہے نہ اتنی طاقت کہ وہ اس آتش گیر مادے کی آفت سے اپنے کو بچا سکے جو ایران میں رنگین انقلاب لانے کی کوششوں کی صورت میں آتش فشاں کے پھٹ جانے سے اچانک بہہ نکلے گا۔ (ہندو، ۲۲/ جون ۲۰۰۹ء)

●●

ایران: سماجی طبقوں کی جنگ

ثقلین امام (لندن)

ایران کے شہروں میں بارہ جون کے انتخابات کے نتائج کے خلاف ہونے والے مظاہروں میں عوامی شرکت اگرچہ اس بات کی تو ثبوت ہے کہ وہاں تبدیلی کے خواہاں لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، تاہم اگر چند بنیادی حقائق کو متواتر ذہن میں نہ رکھا جائے تو نشریاتی اداروں میں گردش کرنے والی خبریں بلاشبہ گمراہ کن ثابت ہوسکتی ہیں۔

انتخابی نتائج کو 'تقلب' یعنی دھاندلی کہنے والے لوگ شہروں کے امیر یا متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تہران میں یہ طبقے شہر کے شمال اور مرکزی علاقوں میں رہتے ہیں جبکہ جنوبی تہران میں کم آمدنی یا لوئر مڈل کلاس کی آبادیاں ملیں گی۔ تقریباً یہی تقسیم چھوٹے شہروں اور قصبوں میں دکھائی دیتی ہے۔

تاریخی طور پر دیکھا جائے تو ایران کے امیر طبقے جنہیں مقامی اصطلاح میں 'ثروت مند' کہا جاتا ہے دنیا بھر کے دوسرے معاشروں کی طرح صرف اپنی سہولت کے بارے میں فکر مند ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے محسن حامد کا ناول 'دا ریلکٹنٹ فنڈا مینٹلسٹ' پڑھا ہو تو اس میں جس پاکستانی ایئر کنڈیشنڈ کلاس کا ذکر کیا گیا ہے وہی تہران کے شمالی علاقوں کا طبقہ ہے۔

ایران میں بادشاہت کے زمانے سے لے کر اور اب بھی یعنی اسلامی انقلاب کے بعد کے دور میں، ان کی غرض صرف یہ رہتی ہے کہ ان کے کاروبار اور نفع کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔ انقلاب کے دوران اور بعد میں جب اس طبقے نے دیکھا کہ ہوا کے ساتھ ہونے میں فائدہ ہے تو ان لوگوں نے اسلامی شعار اپنا لیے، مثلاً حجاب اوڑھ لیا یا داڑھی رکھ لی۔

اس طرح سے یہ طبقہ اسلامی انقلاب کے تیس برسوں میں ایرانی سیاست میں کسی نہ کسی طرح فعال رہا ہے۔ دوسرے ملکوں میں، خاص کر مغربی معاشروں میں، یہ سرمایہ دار طبقہ عام طور پر عملی سیاست سے دور رہتا ہے۔ یہ طبقہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے بیک وقت بظاہر متضاد سیاسی گروہوں کو استعمال کرتا رہتا ہے۔ لیکن ایرانی معاشرے میں اس قسم کے طبقے کے افراد کا عملی سیاست میں شرکت کرتے رہنا ذرا منفرد ہے۔

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اسلامی انقلاب کے تیس برس ایرانی معاشرے سے وہ طبقاتی اثرات مکمل طور پر ختم نہیں کرسکے جو ایران کے بادشاہی نظام نے کئی صدیوں میں مرتب کیے تھے۔ اس کے نتیجے میں لیڈری صرف ایلیٹسٹ لوگوں کے لیے مخصوص سمجھی جاتی رہی ہے۔ ایسے کئی تاریخی شواہد موجود ہیں کہ ایران کی کمیونسٹ پارٹی کی قیادت سے لے کر دیگر سیاسی جماعتوں کی قیادتیں اسی طبقے نے پیدا کی ہیں۔

۱۹۷۹ء کے اسلامی انقلاب کے بعد ایران کے پسماندہ طبقوں کو پہلی مرتبہ قائدانہ کردار ادا کرنے کا موقع ملا مگر شروع شروع میں اسلامی انقلاب کے اندر بھی اس کے خلاف ثروت مند طبقے نے مزاحمت کی۔ مثلاً جب ابوالحسن بنی صدر ایران کے پہلے صدر منتخب ہوئے تو انہوں نے اس وقت کے ایک غریب خاندان سے تعلق رکھنے والے اسکول ٹیچر، محمد علی رجائی، کو اپنی حکومت کے وزیراعظم کے طور پر قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔

اس طرح انقلاب کے بعد بھی روایتی سرمایہ دار اور ان کے پروردہ طبقے کی فضیلت برقرار رہی۔ دوسرے لفظوں میں ایرانی معاشرہ اپنے اندر موجود برہمن طبقے کی برہمنیت ختم نہ کرسکا۔ لیکن بعد کے حالات کی پیش رفت نے آہستہ آہستہ اس طبقے کو کمزور کرنا شروع کردیا، خاص کر جب ایرانی حکومت نے غریب طبقوں کی ترقی کے لئے بڑی رقمیں مختص کرنا شروع کردیں۔ جب اسلامی جمہوریہ ایران کے پہلے صدر ملک سے بھاگ گئے تو

باقی صفحہ ۵ پر

ایمان اور استقامت

محمد سیف اللہ، کوٹہ (راجستھان)

ارشاد ربانی ہے: ''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے۔ یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو نہ غم کرو، خوش ہوجاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے''۔ (سورہ حم سجدہ: ۳۰) دوسری جگہ فرمایا گیا: ''یقیناً جن لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے۔ پھر اس پر جم گئے ان کے لئے نہ کوئی خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ایسے لوگ جنت میں جانے والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اپنے اعمال کے بدلے میں جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں''۔ (سورۃ الاحقاف: ۱۳-۱۴)

ایک جگہ ارشاد ہے: ''اے نبیؐ! تم اور تمہارے وہ ساتھی جو پلٹ آئے ہیں ٹھیک ٹھیک راہِ راست پر ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو اور جو کچھ تم کررہے ہو تمہارا رب اس پر نگاہ رکھتا ہے''۔ (سورہ ہود: ۱۱۲) ایک جگہ فرمایا: ''اے نبیؐ! ان سے کہو، میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا۔ مجھے وحی کے ذریعے بتایا جاتا ہے کہ تمہارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے لہٰذا تم سیدھے اُسی کا رخ اختیار کرو اور اسی سے معافی چاہو''۔ (سورہ حم السجدہ: ۶) یہ بھی فرمایا: ''اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح (علیہ السلام) کو دیا تھا اور جسے ہم نے اب تمہاری طرف وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہوجاؤ۔ یہی بات ان مشرکوں کو سخت ناگوار ہوتی ہے جس کی طرف (اے نبیؐ) تم انہیں دعوت دے رہے ہو''۔ (سورۃ الشوریٰ: ۱۳)

حضرت ابو عمرؓ وسفیان بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اسلام کے تعلق سے کوئی ایسی بات بتا دیجئے جس کے بارے میں آپؐ کے علاوہ مجھے کسی اور سے نہ پوچھنا پڑے۔ آپؐ نے فرمایا: کہو: ''میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، پھر اسی پر جمے رہو''۔ (مسلم) استقامت نام ہے سیدھے راستے پر چلتے رہنے کا۔ دائیں بائیں جھکنے کا نہیں۔ ایمان پر استقامت میں تمام ظاہری وباطنی اطاعتیں اور ممنوعات سے پرہیز شامل ہے۔ اس طرح یہ نصیحت پورے دین کا احاطہ کرتی ہے۔ حضرت ثوبانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''استقامت اختیار کرو لیکن تم یہ پوری طرح نہیں کرپاؤ گے اور یہ جان لو کہ تمہارا سب سے بہتر عمل نماز ہے اور وضو کی پابندی صرف مومن ہی کرپاتا ہے''۔ (ابن ماجہ)

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: محکم بات کہو اور ایک دوسرے کے قریب رہو۔ یعنی تمام اقوال وافعال اور مقاصد صحیح ہونے چاہئیں۔ یہی استقامت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محکم وصحیح بات اور ہدایت کی دعا مانگا کریں۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ ''سداد'' (صحیح ومحکم بات) مانگتے وقت یہ پیش نظر رکھو کہ تیر کس طرح نشانے کے لئے سیدھا کیا جاتا ہے اسی طرح ہدایت سے صحیح راستے پر پہنچنا پیش نظر رکھو۔ الغرض استقامت توحید پر دل کا جما رہنا ہے۔ جب دل میں استقامت رہے گی تو اعضائے بدن بھی جو دل کے تابع ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے۔ دل کے بعد سب سے زیادہ زبان کی استقامت پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی استقامت کے ساتھ ہی زبان کی استقامت پر بھی زور دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بندے کے ایمان میں اس وقت تک استقامت پیدا نہیں ہوسکتی جب تک دل میں استقامت نہ پیدا ہو اور اس کے دل میں اس وقت تک استقامت پیدا نہیں ہوگی جب تک اس کی زبان میں استقامت نہ پیدا ہو۔

اللہ ہی سے مانگو

ارشاد ربانی ہے: ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں''۔ (سورۃ الفاتحہ: ۴) ایک جگہ فرمایا: ''ہاں اللہ سے اس کے فضل کی دعا مانگتے رہو''۔ (سورۃ النساء: ۳۲) ایک اور جگہ ارشاد ہے: ''جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کردے گا اور ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو''۔ (سورہ طلاق: ۲) اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: ''اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں ڈالے تو خود اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت کو ٹال دے۔ اور اگر وہ تیرے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں ہے''۔ (سورہ یونس: ۱۰۷) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ جس رحمت کا دروازہ بھی لوگوں کے لئے کھول دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ بند کردے اسے پھر اللہ کے بعد کوئی کھولنے والا نہیں''۔ (سورہ فاطر: ۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دعا عبادت کا مغز ہے''۔ (ترمذی) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے''۔ (ترمذی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کرامؓ سے یہ بیعت لی تھی کہ وہ لوگوں سے کچھ نہیں مانگیں گے۔ ان میں سے کسی کا کوڑا بھی اگر (سواری پر سے) گرجاتا تھا تو کسی سے اٹھانے کے لئے نہیں کہتا تھا۔ صحیحین کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''کوئی پکارنے والا ہے کہ میں اس کی پکار سنوں؟ کوئی مانگنے والا ہے کہ میں اس کی طلب پوری کروں؟ کوئی بخشش چاہنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں''؟

امام احمدؒ دعا مانگا کرتے تھے: ''اللہ تعالیٰ جیسے آپ نے مجھے کسی دوسرے کو سجدہ کرنے سے بچا لیا ہے اسی طرح کسی دوسرے سے مانگنے سے بھی بچائیے۔ برائی دور کرنے اور فائدہ پہنچانے کی صلاحیت آپ کے سوا کسی اور میں نہیں''۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس سے مانگا جائے۔ ضروریات طلب کی جائیں اور بار بار پکارا اور مانگا جائے۔ جو نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ وہ تمام مخلوق کی مانگ پوری کرنے پر قادر ہے اور اس سے اس کے یہاں کوئی کمی نہیں ہوسکتی جب کہ مخلوق کو برا لگتا ہے کہ اس سے مانگا جائے۔ حضرت وہبؒ بن منبہ نے ایک شخص سے جو بادشاہوں کے یہاں جایا کرتا تھا، فرمایا: ''تم پر افسوس ہوتا ہے کہ تم اس کے پاس جاتے ہو جو تمہارے لئے اپنے دروازے بند کرلیتا ہے، اپنی دولت تم سے چھپاتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے اور اس کو چھوڑ دیتے ہو، جو آدھی رات اور بھری دوپہر کو بھی تمہارے لئے دروازے کھلے رکھتا ہے، اپنی دولت تم پر ظاہر بھی کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ مجھ سے مانگو میں دوں گا''

حضرت طاؤسؒ نے حضرت عطاؒ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''خبردار، کبھی اس سے اپنی ضرورت کی چیز نہ مانگنا جو اپنا دروازہ بند رکھتا ہے اور اس پر پہریدار بٹھاتا ہے۔ اس کو پکڑو جس کا دروازہ قیامت تک کے لئے کھلا ہوا ہے اور اس نے تمہیں مانگنے کا حکم بھی دے رکھا ہے اور دینے کا وعدہ بھی کر رکھا ہے۔ کسی مخلوق کے بجائے صرف اللہ تعالیٰ سے مدد اس لئے چاہنا ضروری ہے کہ کوئی مخلوق خود نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اس کی مدد کرتا ہے۔ دینی معاملات میں بھی اور دنیاوی معاملات میں بھی۔ تو جس کی مدد اللہ تعالیٰ کرے وہی کامیاب ہوگا اور جسے وہ چھوڑ دے اس کے ہاتھ سوائے رسوائی و نامرادی کے اور کیا آئے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چیز تمہیں فائدہ پہنچانے والی ہے اس کی خواہش اور کوشش کرو اور اللہ تعالیٰ کی مدد چاہو اور اس میں درماندگی نہ اختیار کرو۔ کیونکہ جو کسی اور سے مدد چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی کے حوالے کردیتا ہے۔ پھر نامرادی ہی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

●●

دعوت

۲۸؍جون ۲۰۰۹ء

نظریہ و پالیسی سے لیڈر ہی مطمئن نہیں تو عوام کیسے ہونگے؟

عام انتخابات میں شکست نے بی جے پی کے ڈسپلن کی قلعی کھول دی، پارٹی کے اندر نظریات کا دفاع کرنا اور شکست کی ذمہ داری طے کرنا مشکل ہوگیا ہے

لوک سبھا انتخابات میں دائیں بازو کی جماعت بی جے پی ہار تو گئی لیکن اس کے اسباب اور ذمہ داری طے کرنا پارٹی کے لئے ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے جس کے حل کے آثار دور دور تک نظر نہیں آرہے ہیں۔ اختلاف وگروپ بندی کھل کر سامنے آگئی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جن لیڈروں کے سہارے پارٹی چل رہی تھی، جس نظریہ کو وہ اپنی ترقی کا ضامن مان رہی تھی یا جہاں سے اسے مارگ درشن مل رہا تھا وہی سب نشانے پر ہیں۔ کھل کر بیان بازی ہورہی ہے، تنقیدیں کی جارہی ہیں، استعفیٰ دیا اور دلوایا جارہا ہے۔ بی جے پی قیادت بحران کو دُور کرنے سے قاصر ہے، مادر تنظیم آر ایس ایس بھی جو پارٹی کا مارگ درشن کرتی رہتی ہے، وہ بھی پارٹی میں اٹھے موجودہ طوفان کو روکنے میں ناکام ہے۔

ویسے تو عام انتخابات میں کئی پارٹیوں کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ بائیں محاذ عروج سے زوال کی راہ پر گامزن ہوگیا۔ راشٹریہ جنتادل، لوک جن شکتی پارٹی بہار میں اور بہوجن سماج پارٹی وسماج وادی پارٹی کو اترپردیش میں زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ ان پارٹیوں میں بھی ناکامی پر کافی بحث ہوئی اور ہنگامہ بھی ہوا لیکن آخر کار معاملہ ٹھنڈا ہوگیا۔ جہاں تک بی جے پی کا تعلق ہے تو اس کے لیڈروں کو شکست ہضم ہو ہی نہیں رہی ہے اور ہضم بھی کیسے ہو۔ کہاں وہ مرکزی اقتدار کا خواب دیکھ رہے تھے بلکہ آخری مرحلے کی پولنگ کے بعد جب ایگزٹ پول نے غلط اندازے کے ذریعہ ان کے لئے امید کی کرن پیدا کی تو انہوں نے مرکزی اقتدار پر قبضے کے لئے جوڑ توڑ کی سیاست بھی شروع کردی تھی۔ لیکن ووٹوں کی گنتی شروع ہوتے ہی ان کی امیدوں اور منصوبوں پر پانی پھر گیا۔ عام انتخابات کے بعد پارٹی کے اندر حالات اس قدر بگڑ گئے ہیں کہ پارٹی کے اندر اتحاد اور نظریہ کو خطرہ لاحق ہوگیا۔ شکست پر جس طرح یکے بعد دیگرے لیڈر ان استعفیٰ دے رہے ہیں اس سے کوئی بھی سمجھ سکتا ہے کہ پارٹی کن حالات سے گزر رہی ہے۔

عام انتخابات میں بی جے پی کا جو حشر ہوا ہے اور جس طرح اس کی نشستیں لوک سبھا میں کم ہوئی ہیں، پارٹی ان کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ پارٹی کی قومی مجلس عاملہ کی میٹنگ میں جو کچھ بھی ہوا، اس سے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ پارٹی میں کس قدر کھینچ تان اور رسہ کشی ہے۔ برجیش مشرا، سدھیندر کلکرنی، یشونت سنہا، جسونت سنگھ اور ونے کٹیار نے پارٹی کی شکست اور نظریہ و پالیسی کے بارے میں جو کچھ کہا تھا کہ اس پر تو ہنگامہ پہلے سے ہورہا تھا۔ قومی مجلس عاملہ کی میٹنگ کے دوران ارون شوری، مینکا گاندھی، مختار عباس نقوی، سید شہنواز حسین نے جس طرح ایک دوسرے پر الزام تراشی کی اور پارٹی کی شکست کے لئے ذمے دار ٹھہرایا اس سے پارٹی کی پریشانی اور زیادہ بڑھ گئی۔ یہ تو اچھا ہوا کہ سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ بننے والے ارون جیٹلی میٹنگ سے بہت دور لندن میں تھے۔ اگر وہ میٹنگ میں رہتے تو شاید پارٹی قیادت کے لئے حالات پر قابو پانا اور بھی مشکل ہوتا کیونکہ شکست کے لئے سب سے زیادہ ذمے داران ہی کو ٹھہرایا جارہا تھا۔ ان کے مخالفین کو شکایت یہی تھی کہ ان پر ایک تو کوئی آنچ نہیں آئی، دوسرے انہیں مزید انعام واکرام سے نوازتے ہوئے راجیہ سبھا میں اپوزیشن لیڈر بنادیا گیا۔ بعض لیڈروں نے ان کی غیر موجودگی کا معاملہ اٹھایا لیکن پارٹی قیادت نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اسے دبادیا۔

قومی مجلس عاملہ کی میٹنگ ہنگامہ خیز تو رہی لیکن شکست کا پوسٹ مارٹم نہیں کیا گیا اور نہ ہی ذمے داری طے کی گئی۔ صرف لیپا پوتی کی گئی۔ صدر راج ناتھ سنگھ نے بڑی خوبصورتی سے شکست کی ذمہ داری اپنی کندھوں پر لے لی۔ اخلاقی ذمے داری قبول کرنے کے باوجود نہ تو انہوں نے عہدے سے خود استعفیٰ دیا اور نہ ہی اپنی ٹیم میں سے کسی کو بلی کا بکرا بنایا۔ بلکہ ایک تانا شاہ کی طرح پارٹی کے لیڈروں اور کارکنان کو یہ فرمان سنادیا کہ پارٹی نہ تو آر ایس ایس سے اپنا تعلق ختم کرے گی اور نہ ہی ہندتو کو چھوڑے گی چاہے اس کی وجہ سے کتنا ہی نقصان اٹھانا پڑے۔ اس کے بعد پارٹی میں جو بھی ڈسپلن کی خلاف ورزی کرے گا اور شکست کے تعلق سے بیان بازی کرے گا اس کے خلاف تادیبی کارروائی کی دھمکی دے دی جب کہ مسٹر لال کرشن آڈوانی نے یہ کہہ کر پارٹی کو تسلی دینے کی کوشش کی کہ وہ پورے ملک کا دورہ کرکے پھر سے عوام کو پارٹی سے جوڑیں گے۔ سب سے زیادہ نظم وضبط کی پابندی کرنے کا دعویٰ کرنے والی پارٹی کا یہ حال ہوگا، پارٹی نے سوچا بھی نہیں ہوگا۔ پارٹی کے نظریات اور پالیسی پر اب تک باہر سے آوازیں اٹھ رہی تھیں، اب حالت یہ ہے کہ پارٹی کے اندر بھی ان کا دفاع کرنا مشکل ہوگیا اور بنیادی نظریات اور کلیدی لیڈروں کو ہی شکست کا سبب بتایا جارہا ہے۔ ایسے حالات میں پارٹی کا مستقبل کیا ہوگا یہ بتانے کی شاید چنداں ضرورت نہ پڑے۔ جب پارٹی کے لیڈر ہی پالیسی ونظریہ، طرز عمل اور حکمت عملی سے مطمئن نہیں ہیں تو وہ عوام کو کیسے مطمئن کرسکیں گے۔ ●●

خواتین ریزرویشن سے پہلے مسلم ریزرویشن ضروری ہے

ڈاکٹر منظور عالم

ہندستان میں مسلمانوں کے لئے ریزرویشن کا مطالبہ کوئی ہنگامی، جذباتی یا ردعمل اور نقالی کی سیاست کا پیدا کردہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک تاریخی مطالبے کی تجدید ہے، جسے آزاد ہندستان میں ۶۰ سال کے تجربے کے بعد ہندستانی مسلمانوں کی نئی نسل نے پورے ہوش وحواس کے ساتھ اٹھایا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد جب ہندستان میں مسلمانوں کے سیاسی اور معاشی مفادات پر بحث ہورہی تھی اور مسلمانوں کے ریزرویشن کی تجویز اہمیت کے ساتھ زیر غور تھی، وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اس موقف کی حمایت میں تھے، تو اس وقت سردار پٹیل جیسے لوگوں نے یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ مسلمانوں کو ان کا حصہ دینا اکثریتی فرقے کی اخلاقی ذمہ داری ہوگی، مسلمان ریزرویشن کے ذریعے اسے قانونی بندوبست بنانے کی بات نہ کریں۔ اس یقین دہانی پر مسلمانوں نے ریزرویشن کے مطالبے سے دستبرداری اختیار کرلی تھی۔ لیکن آزاد ہندستان کی سیاست میں جو کچھ ابھی تک ہوا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ اخلاقی ذمہ داری کا احساس یہاں پیدا ہی نہیں ہوا اور پھر یہ کہ ہندو اور مسلمان ہی محض یہاں دو فریق نہیں رہے۔ بلکہ متعدد طبقوں اور گروپوں کے مفادات کی کشمکش خود اکثریتی فرقے کے درمیان شروع ہوگئی۔ اسی کشمکش نے ریزرویشن کے قانونی التزام کو ہندستانی عوام کی ایک ضرورت ثابت کیا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے ریزرویشن کا سوال اسی ضرورت کا حصہ ہے۔

ہمارے لئے یہ بڑی تشویش اور بے چینی کی بات ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب مسلمانوں کے ریزرویشن کا یہ سوال حکومت کے ایجنڈے اور پالیسی کا موضوع بننے کی توقع کی جارہی تھی، جنس کی بنیاد پر خواتین کے ریزرویشن کی بات کو حکومت کے ایجنڈے میں شامل کرلیا گیا۔ خواتین کے لئے ریزرویشن کیوں ضروری ہے، یہ خواتین کو ان کے بنیادی حقوق دلانے میں کتنا کارگر ہوگا، یا یہ تصور کس طرح بروئے کار لایا جائے، ان سوالات پر تو بعد میں بات ہوگی، اس سے پہلے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے ریزرویشن کے سوال کو پس پشت ڈال کر عورتوں کے ریزرویشن کی بات کو کیوں آگے بڑھایا گیا۔

یہ سوال اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ مسلمانوں کے لئے ریزرویشن الیکشن کا ایک موضوع تھا۔ اس سے بھی زیادہ خاص بات یہ ہے کہ حکومت کی قائم کردہ ایک کمیٹی نے ایک سائنسی اور قانونی تجزیہ پیش کرکے حکومت کو بتایا کہ مسلمانوں کی معاشی، تعلیمی اور سماجی صورت حال کیا ہے۔ اس صورت حال نے خود ہی اس ضرورت کو اجاگر کیا تھا کہ مسلمانوں کو ریزرویشن دے کر مزید پسماندہ ہونے سے بچایا جائے۔ لیکن اتنا ہی نہیں، بلکہ حکومت کے قائم کردہ جسٹس رنگا ناتھ مشرا کمیشن نے اپنی تجاویز میں صاف طور سے کہا ہے کہ مسلمانوں کو دس فیصد ریزرویشن دیا جائے۔ چنانچہ حکومت کے پاس مسلمانوں کے لئے ریزرویشن کی تجویز پارلیمنٹ میں لانے کے لئے ایک ٹھوس بنیاد فراہم تھی۔ اسے رنگا ناتھ مشرا کمیشن کی سفارشات پر بحث کو اپنے ترجیحی اقدامات میں شامل کرنا چاہئے تھا۔ لیکن یہ فطری اور متوقع کارروائی سامنے آنے کے بجائے، ہوا یہ کہ اقلیتی امور کی وزارت کے وزیر نے مسلمانوں کے لئے ریزرویشن کو غیر مفید قرار دینا شروع کردیا اور حکومت کے ۱۰۰ دن کے ایجنڈے میں عورتوں کے لئے ریزرویشن کو شامل کرکے اس پر پورے ملک کی توجہ لگا دی گئی۔ حالانکہ عورتوں کے لئے ریزرویشن محض ایک نظریہ اور مطالبہ ہے، اس کی ضرورت اور اہمیت کا کوئی جائزہ سرکاری طور پر نہیں لیا گیا ہے۔ کسی کمیشن یا کمیٹی نے اس کی سفارش نہیں کی ہے اور کوئی ٹھوس بنیاد ابھی اس خیال کو عمل میں لانے کی بنی ہی نہیں ہے۔

وزیر برائے اقلیتی بہبود کی اس بات سے ہمیں اتفاق ہے کہ صرف ریزرویشن ہی ایک یا کافی حل نہیں ہے۔ مسلمانوں کی ہمہ جہت ترقی کے لئے ہمہ جہت اقدامات ضروری ہیں۔ دستور کے ایفرمیٹو ایکشن کے بندوبست کے تحت جو بھی مفید ایجابی کارروائی کی جائے، اس کا خیر مقدم ہے اور مسلم تنظیمیں اسے نافذ کرانے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ ریزرویشن کوئی مفید حل نہیں ہے تو ہمیں اس سے اختلاف ہے۔ ہمارا ماننا یہ ہے کہ ریزرویشن ایجابی کارروائیوں میں سب سے اہم بندوبست ہے۔ یہ بات تجربے سے ثابت ہوچکی ہے کہ دلت اور پسماندہ طبقوں کو تعلیم گاہوں اور سرکاری مشینری میں شامل کرنے میں ریزرویشن کے بندوبست نے کتنا اہم کام کیا ہے۔ جو طبقے معاشرے سے بالکل کٹے ہوئے تھے، جن کی کہیں کوئی نمائندگی اور حصہ داری نہیں تھی، جن کے اندر اوپر اٹھنے کا حوصلہ بھی پیدا نہیں ہورہا تھا، وہ اسی بندوبست کی وجہ سے آج پہلے سے بہت بہتر حالت میں پہنچ گئے ہیں۔ لیکن مسلمان جو معاشرے اور نظام کا حصہ تھے، بلکہ تقسیم سے پہلے کے ہندستان میں جو نمایاں حیثیت رکھتے تھے، آزادی کے بعد بھی جن کی نمائندگی نظر آتی تھی، ترقی اور آزادی کے ان ۶۰ سالوں میں وہ محض اس وجہ سے پیچھے ہوتے گئے کہ ان کے مفادات کو تحفظ نہیں دیا گیا، جب کہ انہیں محروم اور نظر انداز کرنے کے جذبات ورجحانات ایک اثر دار طبقے میں شدت کے ساتھ موجود رہے اور پوری سرکاری مشینری ان کے تئیں تعصب میں مبتلا رہی۔

مسلمانوں کے لئے ریزرویشن کی اہمیت کو یہ کہہ کر گھٹانا کہ اس سے ان کے تئیں دوسرے طبقوں میں مخاصمت پیدا ہوگی، ایک نامناسب بات ہے۔ حکومت کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مختلف طبقوں کو ایک دوسرے کے حقوق کے تئیں بیدار کرے اور سب کو ساتھ لے کر چلنے کا ماحول پیدا کرے۔ بجائے اس کے خود ہی اس طرح کا شوشہ چھوڑنا گویا مخاصمت کے جذبات کو دعوت دینا ہے۔ مخاصمت کی اصل بنیاد تو اس بات سے پڑتی ہے کہ کسی کا حق چھین کر دوسرے کو دیا جائے۔ کسی محروم کو اس کا اصل حق دینے سے اگر کوئی مخاصمت کے جذبات کو ہوا دیتا ہے تو یہ ایک اصلاح طلب بات ہے اور محض اس وجہ سے لوگوں کو ان کے حقوق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں تک عورتوں کے ریزرویشن کا سوال ہے تو اسے اتنی عجلت میں نافذ کرنے کی کوئی تک نہیں ہے۔ محض چند لوگوں کے خیال کو پوری قوم کے نظریات نہیں سمجھا جانا چاہئے۔ عورتوں کے ریزرویشن کی ضرورت اور افادیت پر پہلے ملک گیر بحث ضروری ہے۔ اس کے لئے سماجی مطالعہ ہونا چاہئے۔ اس کا سروے اور جائزہ لیا جانا چاہئے۔ سماج کے مختلف طبقات کی رائے لی جانی چاہئے۔ اور اس بات پر غور ہونا چاہئے کہ عورتوں کے جو متعدد مسائل ہیں ان کے حل میں ریزرویشن کا کیا رول ہے۔ خود عورتوں سے یہ پوچھا جانا چاہئے کہ ان کے مفادات کو تحفظ نہیں دیا گیا، جب کہ انہیں محروم اور نظر انداز کرنے کے جذبات ورجحانات ایک اثر دار طبقے میں شدت کے ساتھ موجود رہے اور پوری سرکاری مشینری ان کے تئیں تعصب میں مبتلا رہی۔ کیا انہیں ان کی فطری ذمہ داریوں کو چھوڑ کر یا ان کا بوجھ ساتھ رکھتے ہوئے زندگی کے تمام میدانوں میں مردوں کی طرح دوڑ دھوپ کرنے کے لئے مجبور کیا جانا چاہئے۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ عورتوں کے مسائل کو بھی خود عورتوں سے نہ سمجھا جائے۔ بلکہ مرد سماج ان کے لئے مسائل پیدا بھی کرے اور خود ہی ان کے مسائل کا حل بھائے۔ جہاں تک عورتوں کی نمائندگی کی بات ہے تو چند خاص قسم کی عورتوں کو ہی پورے عورت سماج کا نمائندہ اور ترجمان سمجھنا بھی غلط ہوگا۔ جو عورتیں اپنے عورت پن پر شرمائیں وہ عورتوں کی نمائندہ بھلا کیسے ہوسکتی ہیں۔ عورت کی اصل عزت اس کے عورت پن میں ہے، مردوں کی نقالی میں نہیں ہے۔

یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ عورتوں کے لئے ریزرویشن کا زیر غور بل ملک کی تمام عورتوں کے مفادات کو تحفظ نہیں دیتا ہے۔ یہ ایسی عورتوں کو ہی ''بااختیار'' بنائے گا جو پہلے سے ہی خود مختار ہیں۔ جنہیں نام نہاد اعلیٰ طبقات کی عورت ہونے وجہ سے، فلموں و سیریلوں میں کام کرنے کی وجہ سے، حسن کے مقابلے جیتنے کی وجہ سے، لیڈروں کی بیویاں ہونے کی وجہ سے یا کچھ سیاسی وسماجی مراعات حاصل ہونے کی وجہ سے یہ موقع حاصل ہے کہ وہ سیاسی ایوانوں کی زینت بن سکیں۔ دلت، آدی واسی، پسماندہ، اقلیتی اور دیگر کمزور طبقات کی عام عورتیں اس میں پیچھے ہی رہیں گی۔ ان کا حال وہی ہوگا جو اوبی سی کے ریزرویشن میں کمزور تر طبقوں کا ہے۔ عورتوں کے لئے محفوظ سیٹوں پر ویسے بھی یہ ہوتا ہے کہ عورتوں کے نام پر ان کے شوہر یا باپ بھائی اپنی حکومت چلاتے ہیں۔ قانون کو نچ دینا تو ہمارے یہاں سب کو آتا ہی ہے۔ ●●

انفرادی ترقی کمیونٹی کی پہچان نہیں بن سکی ہے

محمد آصف علی، جمالپور، مونگیر

اگرچہ دلت برادری کے چند افراد اعلیٰ عہدوں پر پہنچ گئے حتیٰ کہ صدر اور وزیر اعلیٰ تک بن گئے لیکن سماج میں آج بھی دلتوں کو وہ مقام نہیں مل سکا جس کے وہ حقدار ہیں اور آئین میں جس کی ضمانت دی گئی ہے آج بھی دلتوں پر پہلے کی طرح مظالم ڈھائے جارہے ہیں۔ ذات پات کے نظام سے وہ نکل نہیں پائے ہیں۔ دلتوں میں سے جو بھی آگے بڑھے ہیں وہ کریمی لیئر طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی تعداد بہت کم ہے۔ خواتین کی حالت اس سے بھی بدتر ہے وہ تو ہر میدان میں پچھڑی ہوئی ہیں۔ یہی حالات ملک کی اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کی ہے۔

آئین میں انہیں تمام حقوق حاصل ہیں لیکن عملی طور پر کچھ بھی حاصل نہیں۔ اقلیتی فرقہ سے تعلق رکھنے والے چند لوگ اعلیٰ عہدوں پر فائز ضرور ہوئے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی کمیونٹی پسماندہ ہے۔ ہر میدان میں انہیں پیچھے کردیا گیا ہے وہ اپنے مسائل کے حل اور حقوق کے حصول کے لئے دردر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے رہتے ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ اس لئے تاریخ بنانے کو مسائل کا حل یا کسی کمیونٹی کی ترقی کی پہچان نہیں کہہ سکتے۔ یہ صرف ایک سیاسی ہتھکنڈا ہے جو کمیونٹی کو فریب میں مبتلا کرنے اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ●●

کانگریس کی خاتون دلت لیڈر میرا کمار نے لوک سبھا کی اسپیکر منتخب ہوکر ایک نئی تاریخ بنائی ہے۔ ویسے ملک کی تاریخ میں پہلی بار ۱۹۹۸ء میں تیلگو دیشم کے جی ایم سی بالیوگی دلت اسپیکر منتخب ہوئے تھے، ان میں اور میرا کمار میں صرف جنس کا فرق ہے پھر بھی وزیر اعظم منموہن سنگھ نے ان کے انتخاب کو تاریخی واقعہ قرار دیا ہے۔ کانگریس کے منصوبے کے مطابق میرا کمار کا نام اس عہدے کے لئے نہیں تھا۔

انہیں تو مرکزی وزیر بنادیا گیا تھا اور انہوں نے اپنی ذمہ داری بھی سنبھال لی تھی۔ بی جے پی نے جب ڈپٹی اسپیکر کے لئے دلت کارڈ کھیلا تو کانگریس نے میرا کمار کا نام اسپیکر کے لئے پیش کرکے بی جے پی کے منصوبے پر پانی پھیر دیا۔ اس طرح میرا کمار کا انتخاب اچانک ہی ہوا ہے اور انہیں وزارت سے استعفیٰ دلوایا گیا ہے کانگریس نے انہیں اسپیکر بنوا کر ایک تیر سے دو شکار کئے ہیں۔ ایک تو ملک کی تاریخ میں پہلی بار خاتون اسپیکر وہ بھی دلت بنی ہیں دوسرے پارٹی نے ملک کی خواتین اور دلتوں میں یہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ انہیں آگے بڑھانا چاہتی ہے۔ سبھا کی پہلی خاتون دلت اسپیکر میرا کمار کا تعلق بھی اسی ریاست سے ہے۔

غرضیکہ آزادی کے بعد ملک کی تاریخ جیسے جیسے آگے بڑھ رہی ہے خواتین دلتوں اور اقلیتوں کو ملک کے اعلیٰ اور باوقار عہدوں پر فائز ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس سے ان کی معاشی، تعلیمی، سیاسی اور سماجی حالات میں کوئی تبدیلی آئی ہے اور ان فرقوں اور برادریوں سے تعلق رکھنے والے سبھی لوگوں کو اس طرح ترقی کرنے کے مواقع مل رہے ہیں؟ یا یہ صرف ان کی خوشنودی اور ووٹ حاصل کرنے کا ذریعہ ہے یا دکھاوا ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن پر کبھی بحث نہیں ہوتی صرف یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ ملک نے فلاں میدان میں نئی تاریخ بنائی۔

سوال تاریخ بنانے کا یا کسی کو اعلیٰ عہدے پر فائز کرنے کا نہیں ہے۔ صرف ایک یا چند لوگوں کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ برادری یا کمیونٹی ترقی کررہی ہے اس کے مسائل حل کئے جارہے ہیں۔ اگر اس پہلو سے دیکھا اور سوچا جائے تو نفی میں ہی جواب ملے گا۔

اسے اتفاق کہئے یا سیاست اس وقت صدر جمہوریہ بھی ایک خاتون پرتبھا پاٹل ہیں جب کہ وزیر اعظم منموہن سنگھ اور نائب صدر جمہوریہ حامد انصاری دو مختلف اقلیتی فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ادھر ملک کے چیف جسٹس کے جی بالا کرشنن بھی دلت ہیں۔ ان سے قبل ایک مسلم اے ایم احمدی بھی ملک کے چیف جسٹس بن چکے ہیں۔ جہاں تک دلت صدر جمہوریہ کا تعلق ہے تو کے آر نارائنن پہلے دلت صدر جمہوریہ بنے تھے جب کہ تین مسلم ڈاکٹر ذاکر حسین، فخر الدین علی احمد اور ڈاکٹر عبدالکلام اور ایک سکھ گیانی ذیل سنگھ صدر جمہوریہ بن چکے ہیں۔ وزیر اعظم کے عہدے پر نہ تو کوئی دلت فائز ہوا ہے اور نہ مسلم جب کہ سکھ وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ لگاتار پانچ برسوں سے اس عہدے پر فائز ہیں۔ چوتھی لوک سبھا میں ملک کی تاریخ میں جب پہلی بار ڈپٹی وزیر اعظم بنایا گیا تھا تو وہ دلت لیڈر جگ جیون رام تھے جن کی بیٹی میرا کمار نے اب نئی تاریخ بنائی ہے جس طرح ملک کے پہلے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرساد کا تعلق ریاست بہار سے تھا اسی طرح لوک

فکر معاصر

پولیس کی کارکردگی

اتر پردیش کی پولیس کتنی چاق وچوبند رہتی ہے کبھی بہادر ہے اور کتنی کامیاب حکمت عملی رکھتی ہے ٹی وی کی بدولت یہ ایک دو نے نہیں لاکھوں نے دیکھ لیا۔ پولیس کا مقابلہ تھا ایک ڈاکو سے جو کہ بالکل اکیلا تھا اور پولیس والے تھے چار سو۔ جن کے پاس بہتر اور جدید ترین اسلحے تھے ڈاکو گھنشیام کیوٹ اکیلا تھا اور اس کے پاس کچھ زیادہ ہتھیار بھی نہ تھے پھر بھی وہ کم وبیش تین دن تک پولیس والوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ پولیس بھی کوئی معمولی نہ تھی بڑے ماہر پولیس والے ریاست کے سب سے بڑے پولیس ذمے دار کی قیادت میں مقابلہ آرائی کر رہے تھے۔ پولیس کو اپنے ایک مخبر سے خبر ملی تھی کہ گھنشیام کیوٹ جس کے سر پر پچاس ہزار روپے کا انعام تھا چترکوٹ کے جمولی گاؤں کے ایک مکان میں چھپا ہوا ہے جس کو پولیس نے پھونک دیا لیکن وہ وہاں سے بچ نکلا اور اس نے مورچہ سنبھال لیا۔ پولیس والوں کا خیال تھا کہ اس کے ساتھ چار پانچ ساتھی ہیں لیکن بعد میں انکشاف ہوا کہ وہ بالکل اکیلا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس کی مدد لے کر ڈاکو کو ختم کردینے کی جو کوشش کی گئی اس میں ریاست کے تمام بڑے پولیس افسران شریک رہے۔ اس کے باوجود ڈاکو چار پولیس والوں کو ہلاک اور بارہ سے زیادہ کو زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ پولیس کی ہی اطلاع کے مطابق ڈاکو گھنشیام کو ختم کرنے کے لئے ایک ہزار گولیاں برسائی گئیں مگر ایک بھی گولی نشانے پر نہ لگ سکی اور ڈاکو گھنشیام ایک مکان سے دوسرے مکان کی چھت پر کودتے کودتے بھاگنے میں کامیاب رہا۔ پولیس نے سارا گاؤں خالی کرالیا تھا اور ہر طرح کی تیاریاں کرلی تھیں۔ اس کے باوجود گھنشیام ۵۲ گھنٹوں تک تن تنہا کم از کم چار سو پولیس والوں کا مقابلہ کرتا رہا اس کا کوئی وار خالی نہ گیا جبکہ پولیس کی ایک ہزار گولیاں بھی اس کا خاتمہ کرنے میں ناکام رہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈاکو گھنشیام ڈاکو بننے سے پہلے ایک ملاح تھا جو کہ کشتی چلاتا تھا جبکہ اس کا مقابلہ اتر پردیش کی بہترین تربیت یافتہ پولیس سے تھا جس کے پاس طرح طرح کے ہتھیار تھے، گھنشیام نے کہیں کوئی تربیت حاصل نہیں کی تھی پھر بھی اس کا کوئی وار خالی نہیں گیا جبکہ چار پانچ سو تربیت یافتہ پولیس والوں کا کوئی بھی وار اس کو گزند نہ پہنچا سکا۔ ڈاکو گھنشیام کے پاس کوئی خاص ہتھیار نہ تھا نہ وہ کسی طرح اپنے کو محفوظ کئے ہوئے تھا جبکہ پولیس والے بلٹ پروف جیکٹ پہنے تھے۔ جس گھر میں گھنشیام چھپا ہوا تھا ٹی وی چینل کی ٹیم اس کی آسانی سے فوٹو گرافی کر رہی تھی جبکہ پولیس بہت دور تھی۔ ٹی وی کی اسکرین پر ساری دنیا نے دیکھا کہ ڈاکو ایک مکان کی چھت سے دوسرے مکان کی چھت پر کود کود کر بھاگتا رہا مکان کی دیوار پر گولیوں کے نشانات نمایاں تھے جو گولیاں دیوار پر لگیں ان میں سے کوئی ایک بھی گھنشیام کے کیوں نہ لگی آخر پولیس کا کیسا نشانہ ہوتا ہے کہ چار سو آدمیوں میں سے کسی ایک کا بھی نشانہ درست نہ ہوا اور ایک ہزار گولیوں میں کوئی بھی ڈاکو کے نہ لگ سکی جبکہ ڈاکو نے جس کو نشانے پر لیا وہ مرا یا زخمی ہوگیا؟ کتنی عجیب بات ہے کہ ریاست کے سب سے بڑے پولیس افسر کی سرکردگی میں اسپیشل ٹاسک فورس، پی اے سی کی ایک کمپنی اور دیگر پولیس والوں کے ہوتے ہوئے ایک اکیلا ملاح ۵۲ گھنٹوں تک مقابلہ کرتا رہا۔ چار آدمیوں کو کھو کر کسی ایک کا مارا جانا کسی بھی طرح کوئی کارنامہ نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے ۵۲ گھنٹے مقابلہ کرنے کے بعد پچاس ہزار روپے کے انعامی ڈاکو گھنشیام کو مار گرایا جانا کوئی ایسا کام نہیں کہا جاسکتا جس پر اطمینان کیا جاسکے۔ اگر اسی طرح مقابلے ہوتے رہے تو کتنے پولیس والے بچ پائیں گے اور کس طرح نظام چلے گا۔ گھنشیام سے تصادم پولیس کی کارکردگی کو نمایاں کرتا ہے۔ اس سے وہ تمام کمیاں اور خامیاں نظر آتی ہیں جن کی وجہ سے عوام پولیس سے نالاں رہتے ہیں۔ جرائم پیشہ مطمئن اور خوش ہوتے ہیں اس لئے جرائم بڑھتے رہتے ہیں۔ اتر پردیش کی کثیر آبادی کے پیش نظر پولیس بہت ہی کم ہے۔

(آگ، لکھنؤ)

◎

سید شہاب الدین کا یہ خیال درست ہے کہ نئے سیاسی تناظر میں ساری بشارتوں، وعدوں اور شکر گزاریوں کے باوجود مسلمان سیاسی اعتبار سے خود کو مزید کمزور محسوس کر رہے ہیں اور ملک کی آبادی کا کوئی بھی دوسرا طبقہ پارلیمنٹ اور وزارت میں اس قدر کمزور حالت میں اپنی موجودگی محسوس نہیں کر رہا ہے جس قدر مسلمان اس معاملے میں نچلی سطح تک آگئے ہیں۔ اس انحطا کا ہوشمند مسلم رہنماؤں کو آزادی کے وقت بھی اندیشہ تھا جواب کھل کر سامنے آگیا۔ شاید اسی لئے دلتوں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر امبیڈکر مسلمانوں کے لئے ریزرویشن کے خواہاں تھے مگر خود مسلمانوں کی اس وقت کی بے بصیرت لیڈر شپ اکثریت کے خیر سگالی کے جذبہ کے بارے میں اس قدر خوش گمان تھی کہ امبیڈکر کے مشورے کو انھوں نے ٹھکرا دیا جبکہ اسے گمراہ کرنے میں مسٹر پٹیل پیش پیش تھے۔ اب پچاس سال بعد یہ معمولی سی غلطی ایک زخم بن گئی ہے جب پندرہ بیس فیصد کی آبادی کو پارلیمنٹ میں پانچ فیصد نمائندگی حاصل کرنے میں بھی مشکلات پیش آرہی ہیں۔ یہی حال صوبائی اسمبلیوں کا بھی ہے۔ افسوس کہ ملک میں جمہوریت اور متوازن نمائندگی کا نعرہ لگانے والے اس افسوسناک رجحان سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں اور کسی مثبت تجویز پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں۔

سید شہاب الدین کا احساس بجا ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی نمائندگی سے محرومی نہ کوئی اتفاقی امر ہے اور نہ لاعلاج بیماری ہے۔ اس کا سبب موجودہ انتخابی سسٹم ہے۔ ملک کی سیاسی پارٹیوں اور اکثریت کے رائے دہندگان میں یہ اعلیٰ ظرفی نہیں کہ وہ مسلمانوں کو فراخدلی سے قبول کریں۔ انتخابی حلقوں کی حد بندیوں میں بھی اس کا خیال نہیں رکھا گیا ہے کہ مسلم ووٹوں کا وزن قائم رہے۔ اکثریت سے متاثر ہوکر خود مسلمان بھی ذات برادری میں تقسیم ہوگئے ہیں اور مختلف حلقوں میں باہم متصادم ہوتے ہیں۔ ہماری سیکولر پارٹیاں بھی مسلمانوں کو امیدوار بنانے سے کتراتی ہیں۔ سید شہاب الدین اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ گزشتہ انتخابات میں کانگریس نے چار سو سیٹوں میں صرف بیس مسلم امیدواروں کے لئے مقرر کیں جن میں سے گیارہ کامیاب ہوئے۔ یہی حال کمیونسٹوں کا رہا۔ مزید حیرانی اس بات پر ہے کہ کانگریس کی ۷۹ رکنی کیبنٹ میں محض پانچ مسلمان جگہ پاسکے۔ یہ پانچ بھی اتنے جرأت مند نہیں جو اپنی پارٹی کے ڈسپلن کی حدود سے نکل کر یہ پوچھ سکیں کہ مشرا کمیشن کی رپورٹ آخر کیوں پیش نہیں کی جاتی اور اقلیتوں کی بہبود کا وزیر اعظم کا پندرہ نکاتی منصوبہ اور سچر کمیٹی کی سفارشات کہاں ڈال دی گئی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ساڑھے پانچ سو قانون سازوں کی بھیڑ میں تیس مسلم ممبران اور پانچ وزراء کی کوئی اوقات نہیں ہے اور ہمارے انتخابی سسٹم کا کرشمہ ہے کہ جنہیں کم از کم ۸۰ کی تعداد میں پارلیمنٹ میں ہونا چاہئے وہ سمٹ کر ایک چھوٹے سے گروپ تک محدود ہوگئے ہیں جو نقار خانے میں طوطی کی آواز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سید شہاب الدین آج جو بات کہہ رہے ہیں چالیس سال پہلے مسلمانوں کے دلیر ودور اندیش قائد عبدالجلیل فریدی نے بھی کہی تھی اور بہت بڑی تعداد میں صاحب نظر سیاستداں کہہ رہے ہیں کہ اس ملک کے لئے پروپورشنل الیکٹورل سسٹم بے حد موزوں ہے جہاں مختلف مذاہب اور اقلیتوں کے لوگ اکثریت کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں اور ان کے لئے کھلے ہوئے انتخابی مقابلے میں اپنا وجود تسلیم کروانا ناممکن ہے۔ پروپورشنل ریپرزینٹیشن میں مخلوط سماج میں اقلیتوں اور کمزور طبقات کو اپنی آبادی کے اعتبار سے آسانی کے ساتھ نمائندگی حاصل ہوسکے گی اور وہ ملک کے نظم ونظام میں اپنی حصے داری کا حق نبھا سکیں گے۔ دنیا کے مختلف ملکوں میں یہ سسٹم نافذ ہے۔ افسوس ہے کہ اس اندوہناک صورتحال کی طرف یعنی قانون ساز اداروں میں مسلمانوں کے تقریباً منظرنامے سے غائب ہوتے ہوئے وجود کی طرف ہمارے سیکولر لیڈروں اور مسلمانوں کے ہمدردوں کی قطعاً کوئی توجہ نہیں۔ البتہ انہیں فکر ہے تو اس کی کہ پارلیمنٹ کی ایک تہائی سیٹیں عورتوں سے بھری جائیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ گرام پنچایتوں اور کارپوریشنوں میں جہاں عورتوں کو اس طرح کا تحفظ دیا گیا ہے وہاں عام طور پر عورتیں آرام کرتی ہیں اور ان کے شوہر بھائی یا بیٹے حق نمائندگی ادا کرتے ہیں۔ اس وقت صورتحال اور بدتر ہوجاتی ہے اس لئے کہ اپنی خواتین کے نام سے یہ مرد اکثر لوٹ کھسوٹ کے دھندے میں مستعدی کے ساتھ لگ جاتے ہیں۔ مگر ہمارے اکثریتی سیاستدانوں کو اس کی قطعاً فکر نہیں کہ آبادی کے ایک بہت بڑے طبقے کو پارلیمنٹ میں جگہ دینے کے لئے معقول انتخابی نظام بنایا جائے۔

مشکل یہ ہے کہ اس معاملے میں خود مسلمان خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ کاش! ڈاکٹر فرید ی جیسے مزید رہنما منظر عام پر آئیں اور مسلمانوں کو ایک مضبوط سیاسی وحدت میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔ وہ سیاسی گروپ جو مسلمانوں کے اندر انتخاب کے وقت ابھر آئے تھے کاش ایک طویل جدوجہد کے لئے مل کر کوئی ٹھوس منصوبہ بنائیں اور اس پر عمل کریں۔ راجیہ سبھا میں دو چار سیٹیں مسلمانوں کو دے کر موجودہ حکومت ان کے آنسو خشک کرنا چاہے گی مگر ضرورت ہے کہ سیاسی اعتبار سے صفر کے مقام پر پہنچ جانے والی یہ اقلیت پستی وذلت سے نکل کر ملک میں ایک باوقار مقام حاصل کرنے کی جدوجہد کرے اور اس کی پہلی منزل یہ ہے کہ پروپورشنل الیکٹورل سسٹم کے لئے ملک گیر مہم چلائے جس طرح ملازمتوں میں مسلمانوں کے ریزرویشن کے لئے اس وقت جدوجہد کی جارہی ہے۔

●●

مسلمانوں کے سیاسی انحطاط کا مداوا کیا ہے؟

ڈاکٹر سید عبدالباری

زبان وادب کی تشکیل میں اُردو صحافت کا کردار

عارف عزیز (بھوپال)

اردو صحافت، بنگلہ صحافت کے بعد ہندوستان کی قدیم ترین صحافت ہے۔ ہندی، مراٹھی، گجراتی یہاں تک کہ ہندوستانیوں کی انگریزی صحافت بھی اس کے بعد ہی شروع ہوئی۔ اردو صحافت نے ۱۹ ویں صدی کے عہد ساز رجحانات کے فروغ میں جو تاریخی کردار ادا کیا، اس کا تو عام طور پر اعتراف کیا جاتا ہے لیکن زبان وادب کی تشکیل وترقی میں جو حصہ لیا اس کو فراموش کردیا گیا ہے۔ ۱۸۲۲ء میں ''جام جہاں نما'' اردو کا پہلا مطبوعہ اخبار تھا جو کلکتہ سے شائع ہوا۔ اردو صحافت کے اس باقاعدہ آغاز سے پہلے صرف دہلی سے بارہ ایسے قلمی اخبارات سپر ڈاک کئے جاتے تھے، جن کا مقصد انگریزوں کے اقتدار کے خلاف عوام میں بیداری لانا، عام لوگوں کو متحد کرنا اور ان کے دل میں قومی جذبات کو پروان چڑھانا تھا۔ مذکورہ اخباروں کے وقائع نگاروں میں ہندو مسلمان دونوں شامل تھے۔ اس لئے لارڈ آک لینڈ اور لارڈ کیننگ کو کہنا پڑا کہ ''قلمی اخبارات نے عوام میں انگریزوں کے خلاف جذبات بھڑکا کر ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی راہ ہموار کی ہے،'' ۱۸۵۷ء میں گورنر جنرل کونسل کے رکن میکالے نے تو صحافت پر اپنے نوٹ میں یہاں تک لکھ دیا تھا کہ ''عام لوگوں میں دیسی زبانوں کی مطبوعہ صحافت کا اتنا اثر نہیں، جتنا قلمی صحافت کا ہے، پیشہ ور وقائع نگاروں کے مرتب کئے ہوئے بے شمار اخبار ہندوستان میں نکلتے ہیں، ہر کچہری، ہر دربار کے باہر وقائع نگار منڈلاتے رہتے ہیں، صرف دہلی سے ہر روز ۱۲۰ قلمی اخبار بذریعہ ڈاک باہر بھیجے جاتے ہیں''۔ مشہور محقق شانتی رنجن بھٹاچاریہ کے مطابق ۱۹ ویں صدی میں یعنی ۱۸۲۲ء سے ۱۸۹۹ء تک کم وبیش پانچ سو اخبار ورسائل ہندوستان کے کونے کونے سے منظر عام پر آئے۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ اخبارات نے جہاں عوام میں سیاسی شعور کی تخم ریزی کرکے جذبۂ حریت کو پروان چڑھایا، اپنے قارئین کو جدید فکر اور علوم سے آشنا کیا، وہیں اردو زبان وادب کی تشکیل میں غیر معمولی خدمت انجام دی بالخصوص فارسی آمیز مقفع ومسجع عبارت اور بوجھل الفاظ کی جگہ اُردو زبان کو سلیس بنا کر عوامی زبان بنانے میں ایک اہم کردار ادا کیا، جس کے نتیجہ میں اردو زبان برق رفتاری سے ایک ترقی یافتہ زبان کے سانچے میں ڈھلتی گئی، لیکن اردو صحافت کے اس کردار کو عام طور پر نظر انداز کیا گیا، مورخ وناقد بھی اس سچائی کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے کہ اردو اخبار ورسائل نے اُردو کے بولی سے زبان تک کے سفر میں گراں قدر حصہ لیا، اس میں سیکڑوں نہیں ہزاروں نئے الفاظ ومحاوروں کا اضافہ کیا اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے، اردو زبان وادب، انگریزی اور دوسری عصری زبانوں کے الفاظ ومحاوروں سے آج مالا مال ہے، تو یہ بھی اردو صحافت کی دین ہے، پروفیسر، نیچر، انجینئر، ڈاکٹر، اسپیکر، پارلیمنٹ، اسمبلی، سپریم کورٹ، ہائی کورٹ، سیکولرزم، کمیونزم، سوشلزم، فرنٹ، روڈ، بائیکاٹ نوٹس وغیرہ وہ الفاظ ہیں جو آج اردو زبان کا جز لاینفک بن چکے ہیں، اردو اخبارات میں ان الفاظ کو مسلسل اور من وعن استعمال کرکے زبان کے خزانے میں جو اضافہ کیا گیا وہ اظہر من الشمس ہے، حقیقت پسندی کا تقاضا ہے کہ اس کا اعتراف کیا جائے۔

اسی طرح یہ دعویٰ کرنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ اردو زبان کو عام فہم لیکن معیاری بنانے، اسے سنوارنے اور سجانے میں اردو صحافیوں کا قابل قدر حصہ ہے، ''خطوط غالب'' تو اردو نثر کو سلاست وبزلہ سنجی کا پیرہن عطا کرنے کی ایک انفرادی سعی تھی، جس کے محرکات کا جائزہ لیا جائے تو ممکن ہے کہ اس عہد کے اردو اخبارات کا پرتو اس میں نظر آجائے، بعد میں مولوی محمد باقر، سرسید احمد خاں، بہاری لال مشتاق، اور مولانا محمد حسین آزاد نے صحافت کے وسیلہ سے اپنے اور دوسروں کے نظریات کی اشاعت کرکے اردو زبان وادب اور تحقیق کے ساتھ ساتھ سیاست کی قندیلیں بھی روشن کیں۔ اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد کی خطابیہ صحافت ہو یا مولانا حسرت موہانی کی شگفتہ بیانی، مولانا ظفر علی خاں کی پرجوش تحریریں ہوں یا مولانا عبدالماجد دریابادی کے طنز میں بجھے ہوئے شذرات، انہوں نے صحافت کے وسیلہ سے اردو کے نثری خزانے میں بے پایاں اضافہ کیا ہے، اردو کے فکاہیہ وطنزیہ ادب کا جائزہ لیا جائے تو اس کا نوے فیصد حصہ صحافت کا عطیہ ملے گا، اگر اردو کے اخبارات ورسائل نہیں ہوتے تو کالم نگاری، انشائیہ نگاری، انٹرویو نگاری اور افسانہ نگاری کا وجود نہیں ہوتا کیونکہ ان کی اولیں اشاعت کا وسیلہ عام طور پر اخبار وجرائد ہوتے ہیں، مذکورہ اصناف کتابی شکل میں کافی بعد میں شائع ہوتی ہیں، اردو صحافت کا یہ بھی کارنامہ ہے کہ اس نے قصوں کہانیوں، اور حکایتوں، سفرناموں، موضوعاتی نظموں، سیاسی مضامین، قانونی وپارلیمانی مباحث، اور طبی وسائنسی موضوعات کو اخبارات کے صفحات پر جگہ دی ہے۔ اگر ریسرچ اسکالر اردو صحافت کی ان خدمات کا جائزہ لیں تو کئی ضخیم جلدیں اس کے لئے ناکافی ہوں گی اور تنقید وتحقیق کی بھی یہ اہم خدمت شمار ہوگی۔

اردو صحافیوں نے سیاسی وادبی تحریکات کو ہی پروان نہیں چڑھایا، ادب کی مختلف اصناف کی ترقی میں بھی حصہ لیا، فکاہیہ اور طنزیہ کالموں کا ذکر گزر چکا ہے، اس صنف کو صحافت نے جو اعتبار بخشا وہ لائق تحسین ہے، منشی سجاد حسین، چودھری محمد علی ردولوی، حاجی الق لق، ملا رموزی یا ان کے معاصرین طنز ومزاح نگاروں سے اردو دنیا کما حقہ واقف نہیں اگر اخبارات ورسائل میں ان کو مقام نہیں ملتا، آزادی کے بعد شوکت تھانوی، مجید لاہوری، فکر تونسوی، علامہ درپن، ابراہیم جلیس، علامہ مدہوش، تخلص بھوپالی، احمد جمال پاشا، مجتبیٰ حسین، سبھی سکے صحافت کی ٹکسال کے ڈھالے ہوئے ہیں لیکن ہمارے بیشتر نقاد اردو صحافت کے اس کارنامے کا اعتراف کرنا کفر سمجھتے ہیں، اگرچہ ابتداء میں صحافت کی اس خدمت کو سراہا گیا، مولوی محمد حسین آزاد پہلے ناقد ہیں جنہوں نے ''آب حیات'' میں لکھا کہ:

''سید میر انشاء اللہ خاں کے زمانے تک انشا پردازی اور ترقی اور وسعت زبانِ اردو، فقط شعراء کی زبان پر تھی، جن کی تصنیفات غزلیں اور قصیدے مدحیہ ہوتے تھے اور غرض، ان سے فقط اتنی تھی کہ امیر اور اہل دولت سے انعام لے کر گزارہ کریں یا تفریح طبع یا یہ کہ ہم چشموں میں تحسین وآفریں کا فخر حاصل کریں، وہ بھی فقط نظم میں، نثر کے حال پر کسی کو اصلاً توجہ نہ تھی کیونکہ کارروائی مطالب ضروری کی سب فارسی میں ہوتی تھی، یعنی اردو نثر اردو صحافت کی ایجاد ہے۔''

زبان وادب کی تشکیل میں اردو صحافت کے کردار کے بارے میں مثالیں اور بھی ہیں لیکن ان سے احتراز کرتے ہوئے یہاں رپورٹنگ کا حوالہ دینا کافی ہوگا۔ اگر اردو کے اخبارات ورپورٹر نہ ہوں تو زبان وادب سے متعلق ساری سرگرمیاں ماند پڑجائیں، جلسے، مشاعرے اور مباحثے صرف ان لوگوں تک محدود رہیں جو ان میں حصہ لیتے یا سامع کی حیثیت سے شریک ہوتے ہیں، یہ اردو کے صحافی ہیں جو بیک وقت رپورٹر ومترجم کے فرائض انجام دیتے ہیں، انگریزی وہندی سے ترجمہ میں اپنی ذہنی کاوش کا مظاہرہ کرتے ہیں اور مضامین، مراسلے اور کارروائی میں زبان وبیان کی اصلاح کرکے انہیں اخبارات کی زینت بناتے ہیں۔

اردو صحافت نے زبان وادب کے فروغ کے ساتھ سیاسی وسماجی تحریکات کی ہی آبیاری نہیں کی، ادبی ولسانی معرکوں کو سرانجام دے کر اپنی زبان کا ہر نازک مرحلہ میں دفاع بھی کیا، خصوصیت سے اردو پر کسی سمت سے حملہ ہوا تو تمام اخبارات اور اس کے صحافیوں نے دل سوزی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ اسی طرح اپنی زبان کے حقوق ومفادات کے لئے جدوجہد ہو یا علاقائی طور پر اردو کو دوسری زبان بنانے کے مطالبہ کے لئے آواز بلند کرنا، تمام اخبارات اس میں شریک وسہیم رہے۔ اردو اخبارات کی جغرافیائی حیثیت بھی کافی وسیع ہے، وہ شمال میں کلکتہ سے سری نگر تک اور دہلی سے ممبئی حیدرآباد اور بنگلور تک ہر چھوٹے بڑے شہر میں پھیلے ہوئے ہیں اور زبان پر اپنے اثرات ڈال رہے ہیں، ملک کی گیارہ اہم ریاستوں سے شائع ہونے والے یہ اخبارات ورسائل آج اردو دنیا کی ایک موثر طاقت ہیں، ان روزناموں یا ہفت روزہ اخباروں اور ماہناموں کی بڑی تعداد معیاری ہے اور خوب سے خوب تر کی تلاش کے لئے ان کی کدوکاوش جاری ہے، یہ اخبار ورسائل ہر قسم کے افکار اور سیاست کی نمائندگی کرتے ہیں، ان میں ہر مذہب اور علاقے کے ترجمان مل جائیں گے، یہاں تک کہ سنگھ پریوار، آریہ سماج، اسلام، جماعت اسلامی، جمعیۃ علماء، اہل حدیث، سناتن دھرم، سکھ ازم، مسیحیت، ترقی پسندی، جدیدیت کے ہمنوا نیز ادب اسلامی کے علمبردار ان میں شامل ہیں۔ اس رنگا رنگی اور مختلف جہتوں کی نمائندگی کے اثرات وعوامل اردو زبان وادب پر بھی مرتب ہورہے ہیں۔

●●

فلسطین میں صہیونی پیش قدمی کے چار دور

محمد سیف الدولہ ــــ ترجمہ: مسعود الرحمٰن خاں ندوی

۱۸۹۷ء میں صہیونی تحریک کے قیام کے وقت سے وہ تین بڑے مقاصد حاصل کرچکی اور چوتھا حاصل کرنے کے قریب ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ہر مقصد حاصل کرنے میں تقریباً چوتھائی صدی لگی، مختصر بیان درج ذیل ہے: مقصد اوّل ۱۸۹۷-۱۹۲۲ء (اجازت) ۱۸۹۷ء میں سوئزرلینڈ میں منعقد بازل کانفرنس کے بعد صہیونیوں نے اپنے آپ کو منظم کیا اور اس وقت کی بڑی طاقتوں اور بین الاقوامی شرعیت کی رسمی اجازت سے فلسطین میں یہودیوں کے لئے قومی وطن کی کوششیں ۱۹۱۷ء میں بلفورڈ کلریشن اور ۱۹۲۲ء میں لیگ آف نیشنز کی طرف سے فلسطین پر برطانوی انتداب کے اعلان سے تکمیل کو پہنچیں، اس اعلان کی دفعہ دو میں فلسطین میں یہود کے لئے قومی وطن کے حق کا ذکر تھا، دریں اثنا پوری انیسویں صدی میں چوری چھپے غیر قانونی ہجرت کے ذریعہ پچاس ہزار یہودی پہنچ گئے تھے۔

مقصد دوم ۱۹۲۲-۱۹۴۷ء (ہجرت) اس دور میں یہودیوں کی بہت بڑی تعداد کی فلسطین کی طرف ہجرت شروع ہوئی جس کا ذکر برطانوی انتداب ڈکلریشن میں تھا، اس سلسلہ میں انہوں نے بڑی صہیونی تنظیموں اور افراد کی مالی مدد کی، اس کام کے لئے انہوں نے صہیونی عالمی تنظیم کی نگرانی میں خاص فنڈ قائم کیا، اور برطانوی قبضہ کی حمایت سے پانچ لاکھ یہودی فلسطین پہنچانے میں کامیاب ہوئے جس کی وجہ سے ان کی تعداد ۱۹۴۷-۱۹۴۸ء میں چھ لاکھ پچاس ہزار تک پہنچ گئی جب کہ ۱۹۱۷ء میں وہاں ان کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔

مقصود سوم: ۱۹۴۷-۱۹۷۳ء (تعمیر مملکت) ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ سے یہودی ریاست کے قیام کی قرار داد حاصل ہوئی جس کی رو سے یہودیوں کو فلسطین کی ۵۶٫۴ فیصد اور عربوں کو ۴۳٫۶ فیصد زمین حاصل ہوئی (جب کہ اس وقت یہودیوں کو صرف ۶٫۶۵ فیصد زمین حاصل تھی) تاکہ وہ اس پر فوراً ''اسرائیل'' نامی یہودی مملکت قائم کریں جس کو انہوں نے درج ذیل ہتھکنڈوں سے قائم کیا:

☆ دہشت گردانہ مذابح (جیسے دیر یاسین وغیرہ) کے ذریعہ فلسطین کو ساٹھ لاکھ پچاس ہزار عربوں سے خالی کرایا۔

☆ عرب ممالک کی افواج کو شکست دے کر فلسطین کی مزید زمین پر قبضہ کیا۔ اب صہیونیوں کے پاس فلسطین کی کل ۷۷٫۴ فیصد زمین تھی۔

☆ امریکہ اور یوروپی ممالک کی طرف سے مال واسلحہ کی مدد ملی جس کی بدولت صہیونی مملکت کی عرب فریق پر برتری قائم رہی۔

☆ ۱۹۶۷ء میں فلسطین کی مزید زمین کے ساتھ صحرائے سیناء اور گولان میں پہاڑیوں پر بھی غاصبانہ قبضہ ہوگیا۔

☆ ۱۹۴۹ء-۱۹۷۳ء کے درمیان مزید پندرہ لاکھ یہودیوں نے اسرائیل ہجرت کی۔

☆ امریکہ اور اس کے حلفاء کے ساتھ اتحاد جنہوں نے اقوام متحدہ میں اپنے اثر ورسوخ کے ذریعہ اس کی مدد کی اور اس کو بین الاقوامی حفاظت وحمایت فراہم کی۔

مقصد چہارم: ۱۹۷۳-۲۰۰۹ء (اعتراف) اب عرب اور فلسطینیوں سے اسرائیلی مملکت کے جواز کا زبردستی اعتراف کرانا باقی تھا، جس کو بیشتر عرب وفلسطینی حکام سے منوا چکے ہیں اور حماس جیسی چند جہادی تنظیموں اور عوام سے منوانے کے درپے ہیں، تفصیل درج ذیل ہے:

☆ ۱۹۷۳ء کی جنگ کے بعد ۱۹۷۹ء کے کیمپ ڈیوڈ امن معاہدے کے ذریعہ مصر کو میدان معرکہ سے سبکدوش کرکے اس سے اسرائیلی مملکت کو مکمل طور سے تسلیم کرایا۔

☆ ۱۹۸۲ء میں لبنان سے فلسطینیوں کے اخراج کے بعد اوسلو معاہدوں کے ذریعہ فلسطینی قیادت سے اسرائیلی مملکت کو تسلیم کرنے اور ۱۹۴۸ء کے فلسطینی مسئلہ سے دستبرداری حاصل کرچکے۔

☆ اس کے بعد ۱۹۹۴ء کے وادی عربۃ معاہدوں کے ذریعہ مملکت اردن سے اسرائیلی ریاست کو تسلیم کرایا۔

☆ پھر آخر میں ۲۰۰۲ء کی امن پہل کے بموجب عرب لیگ میں شامل عرب سرکاری نظامہائے حکومتوں کا ''اسرائیل کے (ناجائز) وجود کے حق'' کو منوانا۔

اس تاریخی سیاق وسباق کی روشنی میں غزہ پر اسرائیل کے آخری حملہ (۲۰۰۸ء-۲۰۰۹ء) اور اس کے واقعات کی اونچ نیچ کا مطالعہ کرکے مستقبل کے لئے سوچنا چاہئے۔ اس لئے کہ ابھی عوامی سطح اور چند عسکریت پسند گروہوں کے لحاظ سے ''اسرائیل کے اعتراف'' کا معرکہ جاری ہے، اس کے علاوہ تمام مسائل اور تفصیلات فروعی ہیں، فلسطینی افتراق، یا تشدد دین ومعتدلین کے درمیان اختلاف، یا ایرانی وعربی دور یا علاقائی مقام ومرتبہ کے لئے یہاں وہاں عرب ممالک کے مابین اختلاف وغیرہ مسائل نہیں ہیں۔ اور نہ حماس کے محدود مار کے راکٹوں یا گزرگاہوں یا تعمیر نو کی کشمکش اصل مسئلہ ہے۔

(ہفت روزہ ''الامان'' بیروت)

ٹوئٹر کیا ہے؟

انٹرنیٹ پر پیغام رسانی کی سہولت فراہم کرنے والی کمپنی ٹوئٹر کا کہنا ہے کہ ان کی جانب سے اپنی ویب سائٹ کی دیکھ بھال کے لئے کی جانے والی بندش کے التوا کا امریکی محکمہ خارجہ کے پیغام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ خیال رہے کہ ایسی اطلاعات سامنے آئی ہیں جن کے مطابق امریکی محکمہ خارجہ نے ٹوئٹر سے کہا تھا کہ وہ اپنی ویب سائٹ کی بہتری کا کام ملتوی کردے تاکہ ایران کے عوام انتخابات کے حوالے سے اپنی آراء کا اظہار کرسکیں۔ ٹوئٹر کے شریک خالق بزسٹون نے اپنے ایک بلاگ میں لکھا ہے کہ ''امریکی محکمہ خارجہ کا ہمارے فیصلوں میں کوئی عمل دخل نہیں ہے''۔

ٹوئٹر سماجی روابط کے ان ذرائع میں سے ایک ہے جسے ایرانی شہری انتخابات کے متنازعہ نتائج کے حوالے سے احتجاج اور مظاہروں کے انعقاد کی تاریخ اور مقامات طے کرنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ اگر ٹوئٹر ویب سائٹ کی دیکھ بھال کا کام طے شدہ منصوبے کے مطابق ہوتا تو ایرانی دن کے اہم حصے میں اس تک رسائی پانے میں ناکام رہتے۔ بزسٹون کے مطابق انھوں نے دیکھ بھال کا کام مؤخر کرنے کا فیصلہ اس لئے کیا کیونکہ ایران میں پیش آنے والے واقعات کا براہ راست تعلق ٹوئٹر کے بطور ایک اہم رابطہ اور معلوماتی نیٹ ورک کی حیثیت سے تھا۔ حکام کے مطابق ویب سائٹ کی دیکھ بھال کے عمل کی تاریخ آگے بڑھانے کا فیصلہ بھی متفقہ طور پر کیا گیا۔

امریکی محکمہ خارجہ نے بھی ٹوئٹر سے اپنے رابطے کی تفصیلات دینے سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ 'ہم نے انہیں بتایا کہ یہ رابطے کا اہم ذریعہ ہے'۔

انٹرنیٹ کی دنیا پر نظر رکھنے والے ماہرین کا کہنا ہے کہ ٹوئٹر نے امریکی محکمہ خارجہ کی مداخلت سے قطع نظر اپنی طے شدہ دیکھ بھال کا عمل کرنا ہی تھا۔ امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے پروفیسر جوناتھن زٹرین کے مطابق 'میرے خیال میں ٹوئٹر کے مالکان پہلے ہی یہ تاریخ تبدیل کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے تاکہ ایرانی عوام سروس استعمال کرسکیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ یقیناً یہ جانتے ہیں کہ اس سارے معاملے میں ان کا کردار کتنا اہم ہے اس لئے میں امریکی محکمہ خارجہ کے بیان کو زیادہ اہمیت نہیں دوں گا'۔

●●

’’سماجی ترقی میں مساویانہ شمولیت‘‘

ڈاکٹر محمد عبدالبصیر
لیکچرر یشونت کالج، ناندیڑ، (مہاراشٹر)

آزادی کے بعد ۷۵ فیصد سے زائد مدت تک حکومت کرنے والی کانگریس، بابری مسجد کی شہادت کے بعد سے آج تک اقلیتوں کو اعتماد میں لینے میں ناکام رہی تھی لیکن چند عملی کاموں کے ذریعے سے ملک گیر سطح پر مسلمانوں نے اسے اپنا قیمتی ووٹ دیا ہے محض اس اُمید کے ساتھ کہ اس میں ان کی اور ان کے ملک ہندوستان کی خوشحالی ہے۔ پستی کا حد سے گزرنا اگر دیکھنا ہو تو سچر کمیٹی کی رپورٹ خود ہمارے لئے ہماری حکمتوں کے لئے آئینہ ہے۔ جس رپورٹ کے مطابق مسلمان اس ملک کی پسماندہ ذاتوں اور طبقات (SC, STs) سے بھی پسماندہ ہے۔ مسلمانوں کی یہ پسماندگی اس ملک کی ترقی کے لئے ناسور ہے۔ اس کے باوجود ملک کی ۱۵ فیصد اقلیتوں کے لئے حکومت کے بجٹ میں سال ۲۰۰۸-۲۰۰۷ء میں محض ۵۰۰ کروڑ روپے اور ۲۰۰۹-۲۰۰۸ء میں ۱۰۰۰ کروڑ روپے مختص کیے گئے۔ ان کے لئے جسٹس رنگناتھ مشرا کی تحفظات حاصل ہیں۔ مرکزی حکومت کے سالانہ بجٹ ۰۸-۲۰۰۷ میں صرف ایس سی ایس ٹی کے لئے ۱۷۳۲ کروڑ روپے مختص کیے گئے تھے اور ساتھ ہی مختلف اسکیموں کی ۲۰ فیصد رقم یعنی ۱۷۶۹۱ کروڑ روپے ان کے لئے مختص کیے گئے۔ اس طرح اقلیتوں کے لئے فلاحی اسکیموں پر خرچ کی جانے والی رقم سے تقریباً ۲۰ گنا زائد رقم ہے۔ ۰۹-۲۰۰۸ء کے بجٹ میں تیرہ فیصد ایس سی کے لئے ۸۰۴ کروڑ روپے کی اسکالر شپس مختص کی گئیں۔ وہیں ۱۵ فیصد اقلیتوں کے لئے جو نہایت پسماندہ ہیں صرف ۱۰۰ کروڑ روپے اسکالرشپس کے لئے مختص کیے گئے۔ ’’سماجی ترقی میں مساویانہ شمولیت‘‘ کا نعرہ دینے والے اس ملک کے وزیر اعظم شری منموہن سنگھ جی، یو پی اے چیئرپرسن سونیا گاندھی اور نوجوان لیڈر راہول گاندھی اب اس موڑ پر یقیناً یہ محسوس کرلیں اور اس لحاظ سے اقلیتوں کی ترقی کے لئے فراخدلانہ اور مساویانہ اقدامات کریں۔ ورنہ اس ملک کو ایک ترقی یافتہ ملک بنانے کا خواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔

مختلف اسکیموں میں حائل دشواریوں اور اسکیموں کو کارگر بنانے کے لئے حسب ذیل چند تجاویز امید کہ مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔

(۱) میرٹ کم مینس اسکالرشپس اسکیم برائے پروفیشنل طلباء

☆ ملک گیر سطح پر مختلف پروفیشنل کورسیز میں زیر تعلیم اقلیتی فرقہ کے تقریباً ۱۰۵ لاکھ سے زائد تمام اہل طلباء و طالبات کے لئے ایس سی، ایس ٹی کے طلباء کے مماثل اسکالر شپس جاری کی جائیں۔

☆ صرف چندہ ۷۰ معیاری تعلیمی اداروں کے علاوہ تمام امدادی اور غیر امدادی پروفیشنل کالجس میں اقلیتی طلباء کی مکمل فیس حکومت کی جانب سے ادا کی جائے۔ جس طرح ایس سی ایس ٹی کے طلباء کی فیس ادا کی جاتی ہے۔

☆ چونکہ غیر امدادی میڈیکل کورسیز کی فیس سالانہ تین تا چار لاکھ روپے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایس سی ایس ٹی کی طرح تمام تر فیس حکومت کی جانب سے ادا کی جائے۔ یا کم از کم اقلیتوں کے لئے ۵۰ فیصد فیس حکومت ادا کرے۔

☆ چونکہ اسکالرشپس کی تعداد بہت کم ہے اور اُمید وار زیادہ ہیں۔ مثلاً سال ۰۸-۲۰۰۷ء کے لئے ریاست مہاراشٹر میں ادا کی گئی ۱۱۲۶ اسکالرشپس کے لئے زائد از ۵۰۰۰ درخواستیں وصول ہوئی تھیں۔ اسکالر شپس کی منظوری کے لئے ۱۲ویں کے نمبروں کی بنیاد پر میرٹ لسٹ تیار کی جاتی ہے۔ جو سراسر غلط ہے۔ کیونکہ صرف تامل ناڈو ریاست کو چھوڑ کر ہر ریاست میں ہر پروفیشنل کورس میں داخلہ داخلاتی امتحان کے ذریعے ہوتا ہے نہ کہ بارہویں کے نمبروں کی بنیاد پر۔ لہٰذا امیدوار کی میرٹ کی اثاث داخلاتی امتحان میں حاصل کردہ نمبر ہونے چاہئیں۔

☆ بیشتر ریاستوں (مثلاً مہاراشٹر) میں معاشی طور پر پسماندہ طبقات کے طلباء کی ۵۰ فیصد ٹیوشن فیس کی ادائیگی ریاستی حکومت کرتی ہے۔ ویسے ہوشیار، ذہین معاشی پسماندہ اقلیتی طلباء کی بقیہ ٹیوشن فیس ریاستی کوٹے میں اسکالرشپس اگر باقی ہو تو اُس صورت میں میرٹ کم مینس اسکیم کے تحت انہیں دوہرا فائدہ دیا جائے۔ (ویسے حکومتی قوانین کے مطابق ایک امیدوار کو حکومت کی ایک ہی اسکیم کا فائدہ دیا جاتا ہے)

(۲) پوسٹ میٹرک اسکالرشپس اسکیم

☆ ہر سال تقریباً ۱۴ تا ۱۵ لاکھ کی تعداد میں گیارہویں تا پی ایچ ڈی تک زیر تعلیم اقلیتی طلباء کے لئے پانچ سال کے عرصہ میں پندرہ لاکھ اسکالرشپس کا اعلان صرف ۲۰ فیصد طلباء کی ضروریات کو کچھ حد تک مکمل کرنے کے مماثل ہے۔

☆ اقلیتی فرقہ کے ذہین طلباء جو پوسٹ گریجویٹ کی سطح پر ہوں انہیں مخصوص اسکالرشپس دی جائیں۔ ٹیوشن فیس کی موجودہ ادائیگی زائد از ۳۰۰۰ روپے سے بڑھا کر ۳۰ ہزار کی جائے۔

☆ ۷ کروڑ روپے کے فنڈ سے صرف ایس سی ایس ٹی کے ایم فل اور پی ایچ ڈی کے طلباء کے لئے دی جانے والی راجیو گاندھی فیلوشپس کم از کم دو ہزار اقلیتی طلباء کو بھی دی جائیں۔

☆ چند ریاستیں ایس سی ایس ٹی کے سیکڑوں طلباء کو امریکہ، یورپ کی مشہور یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم و ریسرچ کے لئے فیلوشپس پر بھجواتی ہیں۔ انہی خطوط پر اقلیتی فرقے کے کم از کم ہزار ایک ہزار طلباء کو بین الاقوامی سطح کے اعلیٰ تعلیم و تحقیق کے اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے فیلوشپس دی جائیں۔ ویسے عموماً ہر سال ایک لاکھ سے زائد طلباء ہندوستان سے بیرون ممالک اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے جاتے ہیں۔ اس کا صرف ایک فیصد اقلیتوں کے لئے حکومتی امداد کے ذریعہ نشانہ مقرر کیا جاسکتا ہے۔

☆ ملک کی اولین ۵۰ یونیورسٹیوں میں، نامور اعلیٰ و تعلیمی تحقیقی اداروں میں اے گریڈ کے کالجس میں، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس ایجوکیشن اینڈ ریسرچ میں، دہلی اسکول آف اکنامکس میں، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسپورٹس وغیرہ میں زیر تعلیم طلباء کو مکمل تعلیمی سہولتیں فراہم کی جائیں۔

☆ یو جی سی کی جانب سے ایس سی ایس ٹی اساتذہ کے لئے پوسٹ ڈاکٹرل فیلوشپس کا اعلان کیا گیا ہے۔ اسی طرح کی اسکیم اقلیتی اساتذہ کے لئے بھی روبہ عمل لائی جائے۔

☆ مختلف حکومت کے امدادی ادارے جیسے سی ایس آئی آر، آئی سی اے آر، ڈی ایس ٹی، ڈی بی ٹی، بی اے آر سی، یو جی سی وغیرہ کے فیلوشپس، اسکالرشپس، ریسرچ ایوارڈ پروجیکٹ فنڈس میں اقلیتوں کے لئے مادّی نشانے مقرر ہوں۔

(۳) پری میٹرک اسکالرشپس اسکیم

اسکول کی سطح پر غریب طلباء کے ڈراپ آؤٹ کو کم کرنے میں یہ اسکالرشپس یقیناً کارآمد ہیں۔ لیکن ان کی تعداد نہایت ہی کم ہیں۔ مثلاً ریاست مہاراشٹر کے شہر اورنگ آباد سے تعلیمی سال ۰۹-۲۰۰۸ء میں ایک لاکھ ۱۹ ہزار طلباء نے فارم بھرے تھے۔ ان میں سے صرف ۴۳۵۰ طلباء ہی کو اسکالرشپس کا اہل قرار دیا گیا۔ اسی طرح ناندیڑ ضلع سے بھی ۹۰ ہزار سے زائد فارم داخل کیے گئے تھے۔ جن میں سے صرف ایک ہزار ۸۷۹ طلباء کو اسکالرشپس منظور کی گئی ہے۔

☆ لہٰذا ان اسکالرشپس کی تعداد میں قابل لحاظ کم از کم موجودہ کا ۲۰ گنا اضافہ اشد ضروری ہے۔

☆ ان تینوں اسکالرشپس کے لئے درکار مذہب کا ڈکلریشن، انکم سرٹیفکیٹ اور اکاؤنٹ نمبر کی شرط فارم داخل کرتے وقت نہ ہو بلکہ اسکالرشپس منظور کیے جانے کے بعد صرف طلباء سے یہ دستاویز حاصل کیے جائیں۔ تاکہ اسکالرشپس نہ ملنے والے طلباء زائد مالی بوجھ سے محفوظ رہ سکیں۔

(۴) فری کوچنگ اینڈ الائیڈ اسکیم

اس اسکیم کے تحت ۹۰ فیصد سے زائد غیر نامور پرائیویٹ کوچنگ اداروں کو منظوری دی گئی۔ ان اداروں کے ذریعے گزشتہ تین برسوں میں متعلقہ کوچنگ کے لئے کم از کم ۱۵ فیصد کامیابی کو ملحوظ رکھا گیا۔ انتہائی اہم اسکیم پر عمل آوری نہایت ناقص درجہ کی رہی۔ ۲۰ سے ۲۵ فیصد طلباء بھی اسکیم کے ذریعے کامیابی حاصل کرپائے ہوں کہنا مشکل ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ تقریباً ۸۰ کروڑ سے زائد رقم اقلیتوں کی فلاح و بہبود کے نام پر بوگس اداروں نے اور دلالوں نے ہضم کی۔ ان اداروں کے نتائج کی رپورٹ، وہاں سے فری کوچنگ حاصل کرنے والے طلباء کی مکمل معلومات آر ٹی آئی کے ذریعے حاصل کرنا اور خطاکاروں کو کیفر کردار تک پہنچانا انتہائی ضروری ہے۔

☆ بیشتر میڈیکل، انجینئرنگ اور صرف چند کمپیوٹر کے انتہائی نامانوس کوچنگ سینٹر کو منظوری دی گئی ان میں ملک گیر سطح پر نامور ادارے جو ہر سال شاندار نتائج کے لئے جانے جاتے ہیں مثلاً Shri Ramayya Study Circle, Career Point, Resonance, Bansal's Coaching Classes Super 30, FITJEE, Akash Institute, Narayana, Chaitanya

☆ منظور شدہ اداروں، میں مینجمنٹ کی کوچنگ کا ایک بھی ادارہ شامل نہیں ہیں۔ جیسے TIME, Career Launcher, IMS, Career Forum,

☆ بین الاقوامی سطح کے اداروں میں داخلے کے لئے درکار GRE/ GMAT/ TOEFL / ILTES کی کوچنگ کے لئے اس اسکیم کے تحت ایک بھی ادارہ شامل نہیں ہے۔

☆ سیول سروسیز کے امتحانات کی تیاری کے لئے کوئی نامور اداروان میں شامل نہیں ہیں۔ جیسے Rau's Study Circle, Chanakya IAS Academy, Sri Ram IAS وغیرہ۔

☆ ریلوے، بینک، انشورنس، افواج میں بھرتی کے لئے کسی بھی کوچنگ کے ادارے کو منظوری نہیں دی گئی ہے۔

☆ CA, ICWA,CFA کے ٹیسٹ کی تیاری کا کوئی ادارہ اس میں شامل نہیں ہے۔

☆ انگریزی زبان اور بیرونی زبانوں کی کسی کلاس کو منظوری نہیں دی گئی ہے۔

☆ پرائیویٹ سیکٹر میں روزگار کے وسیع مواقع فراہم کرنے والے شعبہ جات مثلاً جہاز رانی، ہوابازی، آئی ٹی، آئی ٹی، مربوط سرویسز، ہاسپٹالٹی، ٹورس اینڈ ٹراویلس، فوڈ پروسیسنگ، ریٹیل، سیلز اینڈ مارکیٹنگ، بائیوٹکنالوجی، بائیو انفارمیٹکس، کلینیکل ریسرچ وغیرہ روزگار سے مربوط کورسیز کی کوچنگ بھی اس اسکیم کے تحت پیش نظر تھی لیکن اس طرح کے ایک بھی ادارہ کو اس میں منظوری نہیں دی گئی۔

☆ اس اسکیم کے تحت اقلیتی انڈر گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ طلباء کی علمی سطح کو بلند کرنے کے لئے اور انہیں اچھے نمبروں کے ساتھ کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ریمیڈیل کوچنگ کا نظم بھی اس میں شامل ہے۔ لیکن اس سے متعلق کسی ادارے کو بھی امداد نہیں دی گئی۔ لہٰذا اس پوری اسکیم کے طریقہ عمل میں مکمل تبدیلی نہایت ضروری ہے۔ مندرجہ بالا شعبہ جات میں نامور اداروں کی نشاندہی، وہاں اقلیتوں کے لئے علاحدہ کلاس کا نظم یا زیر تعلیم اقلیتی طلباء کو مکمل فیس کی ادائیگی اور اسکالرشپس دیے جائیں۔

☆ گریجویٹ، پوسٹ گریجویٹ، پروفیشنل اقلیتی طلباء کو روزگار سے مربوط پرائیویٹ کورسیز سیکھنے کے لئے اسکالرشپس دیے جائیں ان کی ٹیوشن فیس حکومت کی جانب سے ادا کی جائے۔ کثیر اقلیتی آبادی والے علاقوں میں پالی ٹیکنک، انجینئرنگ کالج، میڈیکل کالج، طلبہ و طالبات کے لئے علیحدہ ہاسٹلس، لائبریریاں، مسابقتی امتحانات کے کوچنگ سنٹرس اور دواخانے شروع کیے جائیں۔ بھارت نرمان پروجیکٹ کے تحت گزشتہ چار برسوں میں جہاں ایک ہزار نئے پالی ٹیکنک، ۳۰ مرکزی یونیورسٹیاں، ۸ نئے IITs، ۷ نئے IIMs، ۲۰ نئے IIITs، ۲ نئے IISc، ۲،۴ لاکھ اسکول شروع کئے گئے اور آٹھ لاکھ اساتذہ کے تقرر عمل میں آئے۔ ان میں اقلیتوں کے لئے ان کے تناسب سے نمائندگی پر سوالیہ نشان ہیں۔

اقلیتوں کی تعلیم کے لئے قائم قومی کمیشن بااختیار ادارہ نہیں ہے۔ اس کا دائرہ حکام کو مشورہ دینے تک محدود ہے۔ اس کو حکم دینے کا قانونی یا دستوری اختیار نہیں ہے۔ اس طرح مسلمان دستور میں دیے گئے حقوق سے مکمل و آزادانہ فائدہ حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ گزشتہ میعاد میں متحدہ ترقی پسند اتحاد نے اپنے لئے جو مشترکہ کہ پروگرام طے کیا تھا اس میں کہا گیا تھا کہ اقلیتوں کے تعلیمی اداروں کے لئے کمیشن قائم کرنے کے لئے دستور میں ترمیم کی جائے گی۔ تاکہ اقلیتوں کے پیشہ وارانہ کالجوں کو مرکزی یونیورسٹیوں سے براہ راست الحاق مل سکے۔ یہ کمیشن اقلیتی اداروں کو منظوری، الحاق، امتحانوں میں شرکت اور گرانٹ ان ایڈ کے سلسلے میں راست مدد کرے۔ یہ اس کے قانونی اختیار میں ہو۔ تبھی اقلیتوں کی تعلیمی ترقی ممکن ہے بصورت دیگر ریاست مہاراشٹر جیسی تعلیم ترقی یافتہ ریاست میں آج ایک بھی اقلیتی مینجمنٹ میڈیکل کالج نہیں ہے۔ ریاست کے ۲۴۰ انجینئرنگ کالجس میں صرف تین کالجس مسلم اقلیتی مینجمنٹ کے ہیں۔ اس صورتحال سے ریاستی حکومتوں کے عدم تعاون کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

☆ لہٰذا اس نئی مرکزی حکومت سے پرزور مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ملک کے آئینی حقوق کی روشنی میں اعلیٰ تعلیمی ادارے و پرائیویٹ یونیورسٹیاں شروع کرنے میں مدد کرے۔ نیز رعایتیں دے۔

••

گزشتہ میعاد میں متحدہ ترقی پسند اتحاد نے اپنے لئے جو مشترکہ کہ پروگرام طے کیا تھا اس میں کہا گیا تھا کہ اقلیتوں کے تعلیمی اداروں کے لئے کمیشن قائم کرنے کے لئے دستور میں ترمیم کی جائے گی۔ تاکہ اقلیتوں کے پیشہ وارانہ کالجوں کو مرکزی یونیورسٹیوں سے براہ راست الحاق مل سکے۔ یہ کمیشن اقلیتی اداروں کو منظوری، الحاق، امتحانوں میں شرکت اور گرانٹ ان ایڈ کے سلسلے میں راست مدد کرے۔ یہ اس کے قانونی اختیار میں ہو۔ تبھی اقلیتوں کی تعلیمی ترقی ممکن ہے۔

خطوط و مسائل

حق گو افراد کی حوصلہ افزائی کی جائے

حال ہی میں ای ٹی وی اُردو کے پروگرام گفتگو میں معروف صحافی ظفر آغا نے سپریم کورٹ کے مشہور وکیل مسٹر پرشانت بھوشن سے انٹرویو کیا۔ اس میں بھوشن صاحب نے نہایت بے باکی اور حق گوئی سے کام لیتے ہوئے پولیس پر الزام لگایا کہ وہ مسلم نوجوانوں کو بغیر ثبوت کے گرفتار کرکے زبردستی بم بلاسٹوں کے الزامات قبول کرنے پر مجبور کررہی ہے۔ کیا ہی بہتر ہوگا کہ دہلی کے مسلم قائدین پرشانت بھوشن سے ملاقات کرکے ان کی حق گوئی کی داد دیں اور ان کے اظہار حق کے اپنے تمام اخبارات اور تقاریر میں حوالے دیں تاکہ دیگر انصاف پسند لوگ سامنے آسکیں اور اس ظلم کے خلاف آواز، طاقتور ہو جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پولیس اپنے جھوٹے آقاؤں کی شاباشی پانے کے لئے بم بلاسٹ کروا کر معصوموں کی جان لے رہی ہے۔ اپنی اس غیر اخلاقی اسٹریٹجی کو ترک کردے۔ چھوٹے مقدمات میں مسلم نوجوان کو گرفتار کرنا پولیس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔ پولیس کا کام تو یہ ہے کہ ویسے ظالموں کو جو پس پردہ کام کررہے ہیں گرفتار کرے اور اسی مقصد کے لئے اسے تنخواہ دی جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے عہدہ داروں کے غلط اور بیجا احکام کی اطاعت کرتے ہوئے معصوم اور بے قصور مسلم نوجوانوں کو گرفتار کرکے انہیں بلاوجہ پریشان کرے گی تو اس کا خمیازہ ایک نہ ایک دن اسے بھگتنا پڑے گا۔ لہٰذا پولیس اپنے مقدس پیشے کے تقدس کو برقرار رکھے۔

ڈاکٹر عبدالحمید مخدومی، گلبرگہ

قوم کا اخلاقی انحطاط

ملک میں پارلیمانی انتخابات ختم ہوئے اور کانگریس کی سربراہی میں یو پی اے نے حکومت تشکیل دی۔ اس مرتبہ عوام نے کانگریس کو اتنی حمایت فراہم کردی ہے کہ وہ حکومت کے گرنے کے خطرہ سے آزاد ہے۔ اب یو پی اے حکومت کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں اب اس کو چاہئے کہ عوام کی بھلائی کے کام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ اس وقت ملک تیزی سے اخلاقی زوال کی طرف جارہا ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ روٹی، کپڑا، مکان کے مسائل اپنی جگہ ہیں ہی اس سے زیادہ اہم مسئلہ اخلاق و کردار کا ہے۔ جس معاشرے میں بیٹی ماں کو قتل کردے، باپ بیٹی سے ملوث ہو، باپ بیٹوں اور بیوی کو قتل کردے اس بات کی علامت ہے کہ ہم مفادات اور خواہشات کے اسیر ہوتے جارہے ہیں۔ کوئی قوم خواہشات کی غلام ہو کر اپنی آزادی اور خودمختاری برقرار نہیں رکھ سکتی۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ نوجوانوں کو اخلاقی تعلیم سے روشناس کرایا جائے اور دولت اور اقتدار کے بجائے اخلاق و کردار کو معیار عزت و شرف بنایا جائے۔

ابوالکریم عرفان، حیدرآباد

امریکی دلچسپی کا ایک سبب

ایرانی صدارتی انتخابات میں اس امر کا تجزیہ بھی ضروری ہے کہ امریکی اور مغربی میڈیا نے ایرانی انتخابات پر اتنی توجہ کیوں دی۔ امریکہ نے ۱۹۵۰ء میں ایران کی منتخب حکومت کو جس طرح انقلاب کے ذریعے ہٹا کر شاہ ایران رضا شاہ پہلوی کی صورت میں ایک ڈکٹیٹر کو حکمران بنوایا وہ ایرانی عوام کو اب تک یاد ہے لیکن جب امام خمینی نے ایک عظیم انقلاب کے ذریعے شاہ ایران کو ملک چھوڑنے پر مجبور کیا تو اس خطے میں امریکہ کو شدید پریشانی لاحق ہوئی۔ اس دن سے لے کر اب تک امریکہ اور اس کے مغربی حلیفوں کی کوشش رہی ہے کہ وہ کسی بھی ہتھکنڈے سے دوبارہ ایران پر اپنا تسلط قائم کرسکیں۔

خارجہ امور کے ماہرین کا کہنا ہے کہ امریکا نے ایران کے سوا اس خطے میں قریب قریب ہر جگہ اپنے پنجے گاڑ لیے ہیں۔ امریکا کی کوشش ہے کہ وہ جنوبی ایشیا اور وسطی ایشیا کی معدنی دولت اور کیپین کے توانائی کے ذخائر پر جلد از جلد دسترس حاصل کرلے کیونکہ اگر امریکا نے اس حکمت عملی میں دیری کی تو ممکن ہے مستقبل قریب میں چین امریکا کو ایسا نہ کرنے دے۔ فی الوقت امریکا نے افغانستان پر قبضہ کرکے اس خطے میں اپنی حیثیت کو کافی مضبوط کرلیا ہے۔ پاکستان اور ترکی بھی امریکی پالیسیوں کے ہم نوا ہیں۔ وسط ایشیائی ممالک پر بھی بہت حد تک امریکا نے جزوی کنٹرول حاصل کرلیا ہے۔

کیپین کے علاقے (Caspian Sea) میں توانائی کے سب سے زیادہ ذخائر ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اس علاقے میں تیل کے ذخائر ڈیڑھ سو سال تک دنیا کی ضرورت پوری کرسکتے ہیں۔ ان ذخائر پر قبضے کے لیے امریکا نے جو حکمت عملی اختیار کی ہے اس کے تحت اس علاقے کے ہمسایہ ممالک میں سے صرف ایران ایسا ملک ہے جو امریکا کے ان جارحانہ عزائم کے لیے رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ احمدی نژاد کے ہوتے ہوئے امریکا اپنے ان عزائم کی تکمیل نہیں کرسکتا۔ بعض اخبارات میں شائع ہونے والی ایک دستاویز کے مطابق امریکی سی آئی اے نے ایرانی انتخابات پر اثر انداز ہونے کے لیے چار سو ملین ڈالر صرف کیے ہیں تاکہ اس انتخاب کے ذریعے ایران میں ’’رنگین انقلاب‘‘ لایا جاسکے۔ ان حقائق کے پس منظر میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ امام خمینی نے ایران میں جس انقلاب کی بنیاد رکھی ہے اسے احمدی نژاد آگے لے جانا چاہتے ہیں لیکن دوسرے بڑے سیاسی قائدین اور ایران کا اہل ثروت طبقہ امریکی اور مغربی انداز کی زندگی چھوڑنے کو تیار نہیں۔ اس صاحب ثروت طبقے پر امریکی انٹیلی جنس ایجنسیاں تواتر سے کام کررہی ہیں۔ یہ ان ہی کی محنت کا ثمر ہے کہ ایران کے حالیہ صدارتی انتخابات کو میڈیا کے ذریعے متنازعہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ (ماخوذ)

••

پہلے تجارتی خلائی اڈے کی تعمیر شروع

نیویارک۔ امریکہ میں دنیا کے سب سے پہلے کمرشیل اسپیس پورٹ یعنی تجارتی بنیادوں میں چلنے والے خلائی اڈے کی تعمیر کا کام شروع ہوگیا ہے۔ آئندہ اٹھارہ مہینوں میں جب اس پورٹ یا اڈے کی تعمیر مکمل ہوجائے گی تو اس جگہ کا استعمال ورجن گیلیکٹس اور اس جیسی دیگر خلائی سیاحت سے متعلق کمپنیوں کے بزنس میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ اس اڈے کی تعمیر میں نیو میکسیکو حکومت کے تقریباً بیس کروڑ ڈالر خرچ ہوں گے۔

نیو میکسیکو اسپیس پورٹ اتھارٹی کے اہلکار سٹیو لینڈین کا کہنا ہے کہ مستقبل یہی ہے اور ہم خلائی دنیا کے ایک نئے دور سے بہت دور نہیں ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ اس خلائی پورٹ کا مقصد صرف پرائیویٹ خلا بازوں کو خلاء میں بھیجنا نہیں ہے اس کا مقصد بڑھتے ہوئے خرچ کو کم کرنا ہے، نئی دوائیاں، خلاء میں موجود شمسی توانائی اور خلاء میں موجود مختلف سائنسی معلومات اور سہولیات کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہے۔ اس پورٹ میں تین ہزار میٹر کا ایک رن وے بھی تعمیر کرایا جائے گا تاکہ وہاں دنیا کا بڑا سے بڑا طیارہ اتارا جاسکے۔ اگر تمام چیزیں منصوبے کے مطابق مکمل ہوتی ہیں تو آئندہ دو مہینوں میں افتتاحی فلائٹ میں سر رچرڈ برانسن اور ان کے خاندان والوں کے ساتھ اسپیس شپ تیار کرنے والے برٹ روٹن خلاء میں جائیں گے۔ ان کے بعد تین اور لوگ اپنی باری کے انتظار میں ہیں۔ یہ لوگ عالمی کساد بازاری کے باوجود دو لاکھ ڈالر خرچ کرکے خلاء میں چھ منٹ گزارنا چاہتے ہیں اور ان لمحات سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں جب وہ اپنے جسم کا وزن محسوس ہی نہیں کرسکیں گے۔

••

بقیہ: ایران: سماجی طبقوں کی جنگ

محمد علی رجائی صدر منتخب ہوئے۔ مگر انتخاب کے دو ہفتوں کے بعد ہی وہ اپنے وزیر اعظم، جواد باہنر کے ہمراہ اگست ۱۹۸۱ء میں ایک بم دھماکے میں قتل کردیے گئے۔ اس طرح امام خمینی کی زندگی میں ہی پسماندہ طبقے کے لوگوں کو اعلیٰ قیادت حاصل کرنے کا جو موقع ملا تھا وہ اس دھماکے کے ساتھ ہی پھر سے خواب بن گیا۔ رجائی کے بعد آنے والے تین صدور جنھوں نے مجموعی طور پر چوبیس برس تک حکومت کی۔ ان سب کا تعلق براہ راست یا بالواسطہ طور پر ایران کے روایتی اعلیٰ طبقے سے تھا۔ تاوقتیکہ ایرانی عوام نے اگست ۲۰۰۵ء میں متمول طبقے کے ایک اہم ترین رکن، ہاشمی رفسنجانی پر ترجیح دیتے ہوئے ایک غریب کاریگر کے بیٹے محمود احمدی نژاد کو اپنا چھٹا صدر منتخب کرلیا۔ تاہم اس دوران ایرانی معاشرے کے سرمایہ داروں اور ان کے پروردہ طبقوں کے مفادات کی حفاظت ایلیٹسٹ صدور کے ہونے کی وجہ سے خود بخود ہوتی رہی۔ اور اس طرح یہ طبقے اگرچہ خود تو سیاست میں صف اول کا کردار ادا کرتے نظر نہ آئے مگر انہیں ہر صدارتی اور پارلیمانی انتخابات کے موقع پر اپنے ڈالے ہوئے ووٹوں کی بدولت اپنے مفادات کی حفاظت ہوتی نظر آتی رہی۔ خاص کر ہاشمی رفسنجانی کے آٹھ برسوں کے دور صدارت میں جتنی بھی اقتصادی ترقی ہوئی اس کا فائدہ سرمایہ داروں کے چند مخصوص گروہوں کو پہنچا۔ اس طرح ایران کی دولت چند لوگوں میں مرتکز ہوتی رہی۔ ان چند گروپوں میں کچھ علماء بھی ہیں جن کی نمائندگی ہاشمی رفسنجانی کرتے ہیں۔

اپنی دومدتی صدارت کے اختتام پر جب وہ انتخاب نہ لڑسکے تو ہاشمی رفسنجانی نے اپنی ہی طرح کے ایک امیر عالم، ناطق نوری کو صدارتی امیدوار کے طور پر میدان میں اتارا۔ مگر عوام نے ناطق نوری کے برعکس اس وقت کے ایک صاف ستھرے اور قدرے غیر معروف امیدوار سید محمد خاتمی کو منتخب کیا۔ خاتمی تھے تو صاف صدر مگر ان کا تعلق بھی روایتی طور پر اعلیٰ طبقے سے ہے۔ ان کے دور میں سیاسی اصلاحات کے لئے پیش رفت تو ہوئی مگر اقتصادی طور پر عدم مساوات کو دور کرنے کے لئے کوئی قابل ذکر کام نہ ہوا۔ امیر طبقے امیر ہوتے رہے اور غریبوں کے لئے نسبتاً حالات تنگ ہی رہے۔ تاہم جب احمدی نژاد صدر بنے تو انھوں نے تیل کی برآمد سے حاصل ہونے والی دولت کو عوام میں برابری سے تقسیم کرنے کا نعرہ دیا اور صدر بننے کے بعد اس پر عملدرآمد شروع کردیا۔ ایران کے پسماندہ طبقے سے تعلق رکھنے والے اس صدر نے اپنے طبقے کی مقبول اقدار جنہیں ایران کے مذہبی لوگ اسلامی اقدار کہتے ہیں، انہیں پورے تہران کے معاشرے پر لاگو کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح انقلاب کے بعد پھر سے تہران کے سرمایہ دار اور اس کے پروردہ طبقے نے اپنے آپ کو سیاسی طاقت سے محروم سمجھنا شروع کردیا۔ ایسا لگنے لگا ہے کہ ان کے لئے صدر خواہ کوئی بھی ہو مگر ایک پسماندہ طبقے کا فرد صدر نہیں ہونا چاہئے۔ مثال کے طور پر بارہ جون سے قبل انتخابی مہم کے دوران احمدی نژاد کے خلاف جو نعرے لگے ان میں ایک مقبول نعرہ یہ تھا ’ایک ہفتہ، دو ہفتہ، محمود حمام نہ رفتہ‘ یعنی ایک ہفتہ یا دو ہفتہ سے محمود حمام نہیں گیا ہے۔

اس طرح کے اور بھی کئی نعرے لگائے گئے جو محمود احمدی نژاد کے پسماندہ طبقے سے تعلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے تہران کے ثروت مند طبقے کی بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔ میر حسین موسوی جو اپنی ذات میں ایک شریف شخص ہیں، بہرحال روایتی طور پر شمالی تہران کے ثروت مند طبقے کے رکن ہیں۔ موسوی کے حامیوں میں تمام کی تمام بڑی شخصیات ثروت مند طبقے سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔

ان لوگوں کی امید بندھی کہ بارہ جون کے انتخابات میں موسوی کی فتح سے وہ اپنی کھوئی ہوئی سیاسی قوت دوبارہ سے حاصل کرلیں گے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ اب جبکہ قدرے پسماندہ طبقات اور دیہاتی ایران نے محمود احمدی نژاد کو دوبارہ چار برسوں کے لئے صدر منتخب کرلیا ہے تو اس ایلیٹسٹ سیاسی قیادت کے لئے یہ کسی طور بھی قابل قبول نہیں ہے۔

اس طبقے کی سیاسی محرومی صرف احمدی نژاد کے صدر منتخب ہونے کی وجہ سے ہی نہیں ہے بلکہ ایران کے پارلیمانی انتخابی نظام کا ایک خاص انداز بھی ہے۔ ایران میں پارلیمانی انتخاب جغرافیائی حلقوں کی صورت میں نہیں ہوتے بلکہ یہ متناسب نمائندگی کے نظام کے تحت ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے تہران کے متمول علاقے کے لوگ اس بڑے شہر کے تقریباً بیس اراکین پارلیمان میں سے کسی ایک کو بھی اپنے مفادات کا نمائندہ محسوس نہیں کرتے۔ صدارتی انتخاب میں ہی اب تک وہ کسی نہ کسی کو اپنے طبقے کا نمائندہ سمجھتے رہے ہیں۔ لیکن احمدی نژاد کے بعد سے وہ اپنے آپ کو ایران کے سیاسی نظام میں سے خارج سمجھتے ہیں اور جب یہ طبقہ اپنی پوری طاقت کے باوجود ایک باہر کے شخص کو شکست نہ دے سکا تو یہ اپنے ہی بنائے گئے اصول و ضوابط کو توڑ کر حکمرانی اپنے طبقے میں لانے کے لئے کچھ بھی کرگزرنے کو تیار ہے۔

••

اہم خبروں کا اختصار

ملکی

● نئی دہلی- مرکزی حکومت نے سی پی آئی (ماؤنواز) کو انتہا پسند تنظیم قرار دیتے ہوئے اس پر پابندی عائد کردی۔ سی پی آئی (ایم) نے اس کی مخالفت کی تھی، جب کہ مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ بدھا دیب بھٹا چاریہ نے پابندی کو درست قرار دیا ہے۔

● ممبئی- خصوصی عدالت نے ممبئی حملوں کی منصوبہ بندی کے الزام میں ۲۲ مفرور ملزمان کے خلاف غیر ضمانتی وارنٹ جاری کیا ہے۔

● جمشید پور- ممنوعہ ماؤنوازوں نے اس شرط پر جنگ بندی کی پیشکش کی ہے کہ مغربی بنگال کے لال گڑھ علاقہ میں جاری کارروائی روک دی جائے۔

● نئی دہلی- اتراکھنڈ کے وزیر اعلیٰ بھون چندر کھنڈوری نے سخت دباؤ اور ہنگامہ کے بعد لوک سبھا انتخابات میں پارٹی کی شرمناک ہار کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔

● نئی دہلی- جموں وکشمیر کے وزیر مالیاتی عبدالرحیم راٹھر نے یہاں بجلی کے وزراء کی ایک کانفرنس میں کہا کہ سندھ آبی معاہدہ کی وجہ سے ریاست کو کافی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے اس لئے مرکزی حکومت اس نقصان کی تلافی کے لئے خاطر خواہ مالی امداد دے۔

● نئی دہلی- عالمی صحت تنظیم (ڈبلیو ایچ او) کے مطابق اس وقت سو سے زائد ممالک سوائن فلو کی زد میں ہیں۔ دنیا میں متاثرہ مریضوں کی تعداد ۵۲ ہزار سے زائد ہے۔ ۲۳۱ ہلاک ہوچکے ہیں۔ مریضوں کی تعداد کے لحاظ سے امریکہ سرفہرست ہے جب کہ میکسیکو میں سب سے زیادہ اموات ہوئی ہیں۔

● نئی دہلی- مرکزی وزیر قانون ایم ویرپا موئیلی نے گواہوں کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے کوئی نظام قائم کئے جانے کی سپریم کورٹ کی حمایت کے متعلق کہا کہ اسے کرمنل جسٹس سسٹم کا حصہ بنانا چاہئے۔

● نئی دہلی- وزیر خارجہ ایس ایم کرشنا نے برقعہ کے خلاف فرانسیسی صدر کے بیان پر کہا کہ ہندوستان ان کے خیال سے متفق نہیں ہے۔

● لال گڑھ- سلامتی دستوں نے لال گڑھ کے ۲۲۲ گاؤں کو ماؤنوازوں کے قبضے سے آزاد کرالیا۔

● نئی دہلی-حکومت دہلی نے ۱۰-۲۰۰۹ء کا بجٹ ۲۲/جون کو اسمبلی میں پیش کردیا۔ عام آدمی پر کوئی نیا ٹیکس نہیں لگایا گیا۔

● نوئیڈا- دہلی سے متصل نوئیڈا میں کھلنے والے آئی آئی ٹی کانپور کے ایکسٹینشن سنٹر کو مرکزی وزارت فروغ انسانی وسائل نے منظوری دے دی۔ اس سنٹر میں شارٹ ٹرم مینجمنٹ، ٹیکنیکل اور ریفریشر کورس چلانے کے علاوہ ایک اکیڈمک سنٹر کھولنے کا منصوبہ ہے۔

● نئی دہلی- سپریم کورٹ نے مفاد عامہ کی ایک عرضی پر مرکزی حکومت کو نوٹس جاری کرتے ہوئے پوچھا کہ اس نے آسٹریلیا اور کناڈا میں تعلیم حاصل کرنے والے ہندوستانیوں کے تحفظ کے لئے اب تک کیا کیا۔

● کلکتہ- سی پی آئی (ایم) کے جنرل سکریٹری پرکاش کرات نے کہا ہے کہ پارٹی کی پختہ رائے ہے کہ ہند- امریکہ جوہری معاہدہ پر یوپی اے حکومت سے حمایت واپس لینا صحیح قدم تھا۔

● نئی دہلی- محکمہ انکم ٹیکس نے انکم ٹیکس اپیلی ٹریبونل میں دو عرضیاں داخل کی ہیں جن میں ان سے مالی سال ۰۷-۲۰۰۶ء اور ۰۶-۲۰۰۵ء میں ان کی آمدنی کے لحاظ سے دس کروڑ روپئے اضافی ٹیکس کا مطالبہ کیا ہے۔

● احمد آباد- گجرات فسادات میں وزیر اعلیٰ نریندر مودی اور دوسرے لوگوں کے ملوث ہونے کے معاملہ میں جرح کا مطالبہ کرنے والی ایک غیر سرکاری تنظیم جن سنگھرش مورچہ کی عرضی کی سماعت کو ناناوتی- مہتہ کمیشن نے ۱۰/جولائی تک ملتوی کردیا۔

● نئی دہلی- عالمی کساد بازاری کی وجہ سے تین ترقی یافتہ ممالک امریکہ، برطانیہ اور جاپان کا قرضہ ملک کی مجموعی گھریلو پیداوار کے برابر یا اس سے زیادہ ہے۔ امریکہ کا قرضہ ۱۱ ٹریلین ڈالر، برطانیہ کا قرضہ ایک ٹریلین ڈالر اور جاپان کا قرضہ پانچ ٹریلین ڈالر ہے۔ جب کہ ہندوستان کا قرضہ مجموعی گھریلو پیداوار سے کافی کم ہے۔

● حیدرآباد- انفارمیشن ٹیکنالوجی کمپنی ستیم کمپیوٹر سروسز لمیٹیڈ اب مہندرا ستیم کے نام سے موسوم ہوگئی ہے۔

بین الاقوامی

● ملبورن- آسٹریلیا میں ہندوستانی طلباء کے سخت احتجاج اور حکومت کی طرف سے تحفظ کی یقین دہانی کے باوجود ایک اور ہندوستانی میر رضا علی خاں نسلی تعصب پر مبنی حملوں کا شکار ہوئے۔

● پیرس- فرانس میں برقع کے خلاف صدر نکولس سرکوزی کے بیان کے بعد قومی اسمبلی نے اس معاملہ پر دائیں بازو اور بائیں بازو کے ۳۲ ممبران پر مشتمل ایک پارلیمانی کمیٹی تشکیل دینے کا فیصلہ کیا ہے جو چھ ماہ میں اپنی رپورٹ پیش کرے گی۔ دریں اثنا فرانسیسی صدر کے بیان کی پوری دنیا میں مخالفت ہورہی ہے اور مسلمان احتجاج کررہے ہیں۔

● لندن- غیر مقیم ہندوستانی صنعت کار لارڈ سوراج پال کو برطانیہ کی ملکہ نے شاہی خاندان کے مشاورتی گروپ "پریوی کونسل" کا رکن مقرر کیا ہے۔

● روم- اٹلی نے کہا ہے کہ ایران نے ۲۵/جون سے ٹرسٹی میں ہونے والی گروپ ۸ ممالک کے وزراء خارجہ کی میٹنگ میں شرکت کی دعوت مسترد کردی ہے۔ اس میٹنگ میں افغانستان میں استحکام پیدا کرنے سے متعلق اقدامات پر غور کیا جانا تھا۔

● واشنگٹن- امریکہ کی راجدھانی واشنگٹن ڈی سی میں انتہائی بھیڑ بھاڑ کے اوقات دو میٹرو ٹرینوں کے درمیان ٹکر سے ۹ افراد ہلاک اور تقریباً ۷۶ زخمی ہوگئے۔

● کوپن ہیگن- حکومت ڈنمارک نے ایرانی سفیر کو طلب کرکے ان سے کہا کہ ایران کے صدارتی الیکشن میں جو گڑبڑ ہوئی وہ باعث تشویش ہے۔

● روس- روس نے کہا ہے کہ وہ ایران میں صدارتی الیکشن کے نتائج کا احترام کرتا ہے۔ اس کی مخالفت کرنے والوں کو ایرانی معاشرے کے ایک محدود طبقہ کی حمایت حاصل ہے۔ یہ پوری طرح ایران کا اندرونی معاملہ ہے اور کسی دوسرے ملک کو اس میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔

● مناما- بحرین کے وزیر خارجہ شیخ خالد بن احمد الخلیفہ نے یہاں ایک میٹنگ میں ایرانی سفیر کے ساتھ اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایران کے انتخابات سے متعلق امور میں کسی بھی بیرونی مداخلت کے خلاف ہیں۔

● اسٹاک ہوم- سویڈن نے جو یکم جولائی سے یورپی یونین کی صدارت سنبھالنے والا ہے، ایرانی انتخابات کے بعد تشدد پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے وہاں سے اپنا سفیر واپس بلالیا ہے۔ یورپی یونین کے موجودہ صدر جیک جمہوریہ نے بھی ممبر ملکوں کو اپنے سفراء واپس بلانے کا مشورہ دیا ہے۔

● تہران- ایرانی پارلیمنٹ نے کہا ہے کہ ایران نے عارضی طور پر برطانیہ سے اپنا سفیر واپس بلانے کا فیصلہ کیا ہے جس کے ایران کے داخلی امور میں برطانیہ کی مداخلت کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں۔

● تہران- ایران کے اعلیٰ ترین قانون ساز ادارہ شورائے نگہبان نے ۱۲/جون کے صدارتی الیکشن میں دھاندلی کے الزام اور انتخابات کی منسوخی کا اپوزیشن کا مطالبہ پھر مسترد کردیا۔

● اقوام متحدہ- اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل بان کی مون نے حکومت ایران سے اپیل کی ہے کہ وہ شہریوں کے خلاف طاقت کا استعمال فوراً بند کرے اور ان کے حقوق کا احترام کرے۔

● دبئی- متحدہ عرب امارات نے جنوبی کوریا کے ساتھ جوہری تعاون کے ایک معاہدے پر دستخط کئے ہیں جس کے تحت جنوبی کوریا خلیجی عرب ریاست کو ٹیکنالوجی اور سازوسامان منتقل کرے گا۔

● لندن- برطانیہ کے وزیر اعظم گورڈن براؤن نے اپنی لیبر پارٹی کے اندر اختلافات کو دور کرنے کے لئے عراق پر حملہ کی کھلے عام انکوائری کا فیصلہ کیا ہے اور یہ ذمہ داری سابق اعلیٰ سول سرونٹ جان چلکوٹ کو سونپی گئی ہے۔

● مزار شریف- افغانستان میں سڑک کے کنارے ایک بم پھٹنے سے اقوام متحدہ کی پناہ گزیں ایجنسی کے تین افغان ملازمین ہلاک ہوگئے۔

● کابل- افغانستان میں امریکہ کے مرکزی بگرام فوجی اڈہ پر ہونے والے ایک راکٹ حملے میں دو امریکی فوجی ہلاک ہوگئے۔

علماء کونسل کا مقصد ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا ہے

مولانا طاہر مدنی

۱۶/جون ۲۰۰۹ء کے سہ روزہ دعوت کے ماہانہ فیچر جائزہ کا موضوع "لوک سبھا انتخابات میں مسلم سیاسی گروپوں کا رول" تھا۔ اس میں انگریزی کے مشہور مبصر اور دانشور امریش مشرا نے دیگر باتوں کے علاوہ علماء کونسل کے طرز عمل پر بھی اظہار خیال کیا تھا۔ عیاں رہے کہ موصوف لکھنؤ پارلیمانی حلقے سے علماء کونسل کے امیدوار تھے۔ اس سلسلہ میں ہمارے نمائندے نے علماء کونسل کے جنرل سکریٹری مولانا طاہر مدنی سے گفتگو کی جس کی رپورٹنگ حسب ذیل ہے — ایڈیٹر

بنیادی طور پر علماء کونسل کی تشکیل کئی مقاصد کے لئے ہوئی تھی اس کی تاسیس ۴/اکتوبر ۲۰۰۸ء کو ہوئی جس کا پس منظر مسلم نوجوانوں کی بے جا گرفتاریاں اور بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر کا معاملہ تھا اور اس پورے معاملے میں اعظم گڑھ کو نشانہ بنایا گیا جس کی وجہ سے پورے علاقے میں خوف وہراس کا ماحول پیدا ہوگیا تھا۔ ان حالات میں تمام علماء جمع ہوئے اور انہوں نے علماء کونسل تشکیل دی، جس کا مقصد ظلم وزیادتی کے خلاف آواز بلند کرنا اور انصاف کے حصول کے لئے جدوجہد کرنا تھا۔ نیز کام کرنے کے لئے کچھ میدان منتخب کئے گئے انہی خطوط کی بنیاد پر علماء کونسل کام کررہی ہے۔ پہلا میدان مسلم معاشرے میں دینی بیداری پیدا کرنا مسلمانوں میں خدمت خلق کا جذبہ پیدا کرنا اور اُمت کے اندر اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کرنا تھا اس کے علاوہ تعلیمی بیداری اور اصلاح معاشرہ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنا شامل تھا تاکہ جمہوری ملک میں ہم اپنے ووٹ کی طاقت کو پہچانیں اور منصوبہ بند طریقہ سے اس کا استعمال کریں جس کے بہتر استعمال سے مسلم سیاسی قیادت کو اُبھارنے کا کام ہو۔

ہماری کوشش کے نتیجے بھی ظاہر ہوئے۔ خاص طور سے اعظم گڑھ اور اس کے اطراف میں مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی کیفیت پیدا ہوئی۔

عوام کی جانب سے شدید مطالبہ تھا کہ علماء کونسل کو پارلیمانی انتخاب میں حصہ لینا چاہئے۔ چونکہ ابھی ہمارا کوئی تنظیمی ڈھانچہ نہیں تھا اور عوام میں ہم کام نہیں کرسکے تھے اس لئے عوامی مطالبے کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا گیا کہ کچھ منتخب حلقوں سے امیدوار کھڑے کئے جائیں اور ایک ابتدائی تجربہ کیا جائے۔ چنانچہ علماء کونسل نے یوپی کے سات پارلیمانی حلقوں میں اپنے امیدوار میدان میں اتارے تھے جس میں چار مقامات پر ہمیں کافی اچھا ووٹ ملا۔ میرے خیال میں بہت کم وقت میں بغیر کسی تیاری کے پہلی بار میں اس قدر ووٹ حاصل کرلینا اچھی کارکردگی کہی جائے گی۔

بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے لکھنؤ پارلیمانی حلقے کے امیدوار امریش مشرا نے علماء کونسل پر جو الزامات لگائے ہیں وہ بے بنیاد ہیں۔ انہوں نے سہ روزہ دعوت سے ہونے والی گفتگو میں یہ تاثر دیا ہے کہ علماء قیادت نہیں کرسکتے جب کہ انہوں نے علماء کونسل کے جلسوں میں بارہا اپنی تقریروں میں متعدد مقامات پر کہا کہ علماء ہی کی قیادت میں کام ہوسکتا ہے اس کے لئے انہوں نے جنگ آزادی میں علماء کے کردار کو پیش کیا۔ انہوں نے علماء کونسل کے ذمہ داران پر جو الزامات عائد کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ علماء کونسل کے لوگوں کا بی جے پی اور بی ایس پی سے کہیں نہ کہیں سمجھوتہ ہوگیا تھا۔ اس طرح کی بات بغیر کسی ثبوت کے پیش کرنا نہایت غیر ذمہ دارانہ عمل ہے۔ علماء کونسل نے انتخابی مہم کے دوران یہ بات واضح کردی تھی کہ ہم تمام سیاسی جماعتوں کے خلاف ہیں۔

ایک طرف ہمارے اوپر یہ الزام ہے کہ ہم نے اعظم گڑھ میں بی ایس پی کے امیدوار کو ہرانے میں اہم رول ادا کیا دوسری جانب یہ بات بھی کہی جارہی ہے کہ ہم نے بی ایس پی سے سمجھوتہ کرلیا تھا۔ امریش مشرا کے اس بیان میں کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی۔ گفتگو میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم نے ورون گاندھی پر تنقید کی تو ہمیں روک دیا گیا۔ ورون گاندھی پر انہوں نے جو تنقید کی تھی اسے کوئی سنجیدہ شخص برداشت نہیں کرسکتا۔ انہوں نے لکھنؤ کے جلسے میں ایک موقع پر کہا کہ "ورون گاندھی کے بارے میں یہ جان لینا چاہئے کہ وہ سنجے گاندھی کی اولاد ہیں یا اکبر احمد ڈمپی کی ہیں ورون گاندھی کو لکھنؤ کے چوراہے پر گولی ماروں گا۔" ان کے اس بیان پر ہماری قیادت نے ان کو منع کردیا کہ اس طرح کی بات علماء کونسل کے اسٹیج سے نہیں کہی جاسکتی، ہمارا موقف یہ تھا کہ ورون گاندھی کے بیان پر قانونی کارروائی ہو ہم اس کا مطالبہ کرتے ہیں اس بات کو انہوں نے دوسرے طریقے سے پیش کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ۲۸/اپریل کو علماء کونسل کے لوگوں نے بی ایس پی کے امیدوار اکھلیش داس کے حق میں اپیل کا پرچہ تقسیم کیا۔ ان کا یہ الزام بھی بے بنیاد ہے۔ اگر اس طرح کی بات ہوئی ہے تو وہ اس کے لئے ثبوت کیوں نہیں پیش کرتے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ علماء کونسل کے لوگوں نے آخر وقت تک لکھنؤ میں رہ کر امریش مشرا کے حق میں پرچار کیا۔ ان کا یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ ہم نے الیکشن ہم میں صرف مسلمانوں پر ہونے والے مظالم اور زیادتی کو ہی اُجاگر کیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بلاتفریق مذہب وملت جس کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی اور ناانصافی ہوئی ہے ہم ان کے ساتھ کھڑے ہوئے ہیں ہم نے عام انسانوں کے مسائل کو الیکشن میں اٹھایا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ ہندو مذہب کے ماننے والے لوگ ہم سے وابستہ ہیں اور وہ ہماری تنظیم میں عہدے داروں میں شامل ہیں۔ اس بار ہمیں کم از کم ۱۵ فیصد ووٹ غیر مسلمین کا حاصل ہوا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جیسے جیسے ہم ان کے قریب جائیں گے، مزید حمایت حاصل ہوگی۔ امریش مشرا سے ہماری ملاقات دہلی میں مسلم سیاسی تنظیموں کے ایک پروگرام میں ہوئی تھی اس کے بعد سے وہ ہمارے قریب ہوئے۔ ہم نے دیکھا کہ صاف ذہن کے شخص ہیں ہمارے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے انہیں ساتھ لے لیا اور لکھنؤ سے اپنا اُمیدوار بنایا لیکن جیسے جیسے انتخابی مہم آگے بڑھی ہمیں اس بات کا احساس ہونے لگا کہ اندرونی طور پر یہ کانگریس سے ملے ہوئے ہیں کانگریس کی ریاستی صدر ریتا بہوگنا سے ملاقاتیں کررہے ہیں اور پھر انہوں نے اس بات کی کوشش بھی کی کہ کانگریس امیدوار کے حق میں بیٹھ جائیں۔

اس سلسلے میں انہوں نے کانگریس کے سینئر لیڈر رگ وجے سنگھ سے علماء کونسل کے کنوینر عامر رشادی سے ملاقات بھی کرائی۔ انہوں نے درخواست کی کہ امریش مشرا کو ہمارے امیدوار کے حق میں بیٹھا دیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ذاتی ملاقات میں دگ وجے سنگھ نے عامر رشادی سے واضح طور پر کہا کہ بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر فرضی تھا میں آپ کے اس موقف کی تائید کرتا ہوں ان کی اس بات پر عامر رشادی نے کہا کہ آپ اسی بات کو پریس کانفرنس کے ذریعہ واضح کردیں۔ اس پر انہوں نے معذرت کرلی۔ ہم نے ان سے صاف طور پر کہا کہ ہم میدان میں بیٹھنے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ علماء کونسل میدان میں کام کرتی رہے گی۔ ہم تمام میدانوں میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ سیاسی میدان میں مستقل کام کریں گے اور دیگر لوگوں کو ساتھ لے کر مسلمانوں کو متحد کرنے کا کام کریں گے۔ ہم ریاستی سطح پر اپنا تنظیمی ڈھانچہ زمینی سطح سے مضبوط کررہے ہیں۔ ہماری کوشش یہ ہوگی کہ ایسی تمام تنظیموں کا محاذ بنے جو سیاسی میدان میں حق اور انصاف کے حصول کے جدوجہد کررہی ہیں ان میں غیر مسلم تنظیمیں ہوں یا مسلم تنظیمیں بھی ایک مقصد کے تحت کام کریں۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ مفروضہ ختم ہو کہ مسلم قیادت میں کوئی سیاسی گروپ ہندستان میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ہم اس کو عملی تجربے سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے شروعاتی تجربے میں پایا ہے کہ اگر اخلاص اور ایمانداری کے ساتھ خدمت خلق کے جذبے سے کام کیا جائے تو کامیابی ملتی طے ہے۔ (دعوت کے نمائندے سے گفتگو پر مبنی)

بقیہ: ترقی پذیر ملکوں....

عملی پیش رفت کیا ہے۔ امریکہ کی سیاسی اور مالی مشینری پر یہودیوں کی گرفت اتنی سخت ہے کہ اوباما سے کسی ٹھوس پیش رفت کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

صدر اوباما کا سب سے بڑا اثاثہ ان کا بے داغ ماضی ہے۔ ان کا نصف اسلامی پس منظر بھی مسلمانوں کو فوری طور پر شک کرنے سے روکتا ہے۔ ان کی باتیں اور انداز بیان سے نہ صرف مسلمان بلکہ امریکی بھی متاثر ہوتے ہیں۔

اب تک امریکہ کی پالیسی مسلم ممالک کے حکمرانوں اور خاص طور پر فوجی لیڈروں کے دل جیتنے پر مرکوز رہی ہے۔ یہ دل دراصل جیتے نہیں گئے بلکہ خریدے گئے ہیں اور ہم دل بیچارے کو کیوں بدنام کریں، دراصل ضمیر خریدے گئے ہیں۔ دل بیچارہ تو دو پیار بھری باتوں سے گرویدہ ہوجاتا ہے۔ ضمیر خریدنے کے لئے زر مبادلہ یعنی ڈالر کی ضرورت ہوتی ہے۔ عقلمند لوگ اپنا ضمیر سوچ سمجھ کر بیچتے ہیں۔ مستقبل کے عملی نتائج سے قطع نظر میں بارک اوباما کی تعریف کرتا ہوں کہ انہوں نے کم از کم ایک نعرۂ مستانہ تو مارا جس کی گونج دنیا بھر میں سنی گئی، البتہ انہیں یہ جان لینا چاہئے کہ مسلمانوں کے دل جیتنے کے لئے ان کے حکمرانوں کے ضمیر خریدنے کی پالیسی انہیں ترک کرنی ہوگی۔ ●●

بقیہ:- آسٹریلیا میں....

پایا جاتا تھا کہ یہ ایک ٹھنڈا ملک ہے اور جس طرح ملک ٹھنڈا ہے اسی طرح یہاں کے لوگ بھی ٹھنڈے ہیں۔ لیکن گزشتہ کچھ دنوں سے ہندوستانی طلبہ پر وقفہ وقفہ سے حملے ہورہے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس طرح کے واقعات بڑھتے جارہے ہیں۔ ان حملوں کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ اس کے پیچھے نسلی تعصب کا جذبہ کام کررہا ہے۔ بعض طلبہ تو ان واقعات سے اس قدر ہیبت زدہ ہوئے کہ وہ وطن واپس آگئے اور انہوں نے یہاں پہنچ کر پریس کو جو بیانات دئے اور اپنی کہانیاں سنائیں اس میں اس کا بھی اظہار کیا کہ اب کسی کو آسٹریلیا نہیں جانا چاہئے لیکن آسٹریلیا جانے کا سلسلہ اس کے باوجود تھم نہیں رہا ہے۔ ان واقعات پر حکومت ہند نے نرم لہجے میں احتجاج بھی درج کردیا ہے اور حکومت آسٹریلیا سے اس کا مطالبہ بھی کیا ہے کہ وہ ہندوستانی طلبہ کی جان ومال کی حفاظت کا ٹھوس انتظام کرے اور اس طرح کے واقعات کی روک تھام کے لئے قدم اٹھائے حکومت آسٹریلیا نے اس کی یقین دہانی بھی کرائی ہے لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کا سلسلہ ابھی تک بند نہیں ہوا ہے۔ ●●

فلسطینی اسپیکر عزیز دویک رہا

اسرائیل نے حماس کے پارلیمانی اسپیکر عزیز دویک کو ان کی تین برس کی سزا ختم ہونے سے دو ماہ قبل رہا کردیا ہے۔ عزیز دویک اور حماس کے دیگر سیاست دانوں کو سنہ دو ہزار چھ میں غرب اردن میں گرفتار کیا گیا تھا۔ عزیز دویک پر الزام تھا کہ ان کا ایک غیر قانونی تنظیم سے تعلق ہے۔ عزیز دویک کا شمار فلسطینی انتظامیہ کے اُن سینئر ترین حکام میں ہوتا ہے جنہیں اسرائیل نے جیل میں ڈالا ہوا تھا۔ تین برس پہلے جب انہیں غرب اُردن کے شہر رملا میں اُن کی رہائش گاہ سے گرفتار کیا گیا اس وقت وہ فلسطینی پارلیمان کے اسپیکر تھے۔ فلسطینی انتظامیہ میں صدر محمود عباس کے بعد پارلیمان کا اسپیکر اہم ترین عہدہ ہے۔

مسٹر دویک جنوری دو ہزار چھ کے فلسطینی انتخابات میں حماس کی غیر معمولی جیت کے بعد پارلیمان کے اسپیکر منتخب ہوئے تھے۔ ان انتخابات کے چند ماہ بعد ماہ جون میں فلسطینی شدت پسندوں نے سرحد پار جاکر اسرائیلی فوجیوں کے خلاف ایک کارروائی میں اُن کا ایک فوجی گلعاد شالیط اغوا کرلیا تھا۔ فلسطینی حریت پسندوں کا مطالبہ تھا کہ وہ اس وقت تک اسرائیلی فوجی کو رہا نہیں کریں گے جب تک اسرائیلی جیلوں میں قید فلسطینی عورتوں اور بچوں کو رہا نہیں کیا جاتا۔ اسرائیل نے اس کارروائی کے جواب میں غرب اردن میں چھاپے مارے اور حماس سے تعلق رکھنے والے درجنوں ارکان پارلیمان کو گرفتار کرلیا جن کی اکثریت تین سال بعد آج بھی اسرائیلی جیلوں میں بند ہے۔ اطلاعات کے مطابق اسرائیلی فوج کی کوشش تھی کہ عزیز دویک کی رہائی ابھی عمل میں نہ آئے اور انہیں آئندہ کسی مرحلے پر اسرائیلی فوجی گلعاد شالیط کی رہائی کے عوض مذاکرات میں استعمال کیا جاتا۔ لیکن مسٹر دویک کی طبیعت کافی عرصے سے ناساز رہنے لگی ہے اور مقبوضہ غرب اُردن میں اسرائیلی فوجی عدالت نے کچھ دن پہلے فیصلہ یہ سنایا کہ انہیں مزید نظر بند نہیں رکھا جاسکتا۔ ساٹھ سالہ مسٹر دویک کا درس وتدریس سے گہرا تعلق رہا ہے۔ وہ امریکہ کی یونیورسٹی آف پینسلوینیا سے پی ایچ ڈی کی ڈگری رکھتے ہیں اور غرب اردن کے شہر نابلس میں پڑھاتے رہے ہیں۔

ایتھوپیا کا فوجی مدد کرنے سے انکار

عدیس ابابا- افریقی ملک ایتھوپیا نے صومالیہ کی اس درخواست کو مسترد کردیا ہے جس میں پڑوسی ممالک سے اپیل کی گئی تھی کہ اسلامی شدت پسندوں کے خلاف کارروائی کے لئے فوجی مدد کی جائے۔

ایتھوپیا نے اپیل کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ بین الاقوامی سطح پر قبولیت کے بعد ہی اس کی فوج صومالیہ میں داخل ہوسکتی ہے۔

ایتھوپیا کی فوج نے دو ہزار چھ میں اسلامی شدت پسند گروپ کے خلاف کارروائی میں صومالیہ کی مدد کی تھی لیکن اس کی فوج رواں سال کے آغاز میں صومالیہ سے نکل گئی تھی۔

صومالیہ کی حکومت شدت پسند اسلامی گروپوں کے خلاف کارروائی کررہی ہے جو ملک کے بیشتر حصے پر قابض ہیں۔ سات مئی سے دارالحکومت موغادیشو میں شدت پسند اسلامی گروپ شباب اور سرکاری فوجوں کے درمیان لڑائی جاری ہے۔ جس میں بدھ کے روز سے شدت آئی ہے۔

صومالیہ کی پارلیمنٹ کے اسپیکر شیخ عدن محمد نور نے اپنے پڑوسی ممالک سے اپیل کی تھی کہ وہ چوبیس گھنٹوں کے اندر صومالیہ میں فوجیں بھیجیں۔ صومالیہ کی شباب نامی تنظیم کا تعلق القاعدہ سے بتایا جاتا ہے۔ شباب صومالیہ کی ان کئی شدت پسند تنظیموں میں سے ایک ہے جو صومالیہ کی ایک کمزور حکومت کو گرانے کی کوشش کررہے ہیں۔ صومالیہ میں چار ہزار سے زائد افریقی یونین کے فوجی تعینات ہیں لیکن وہ جنگجوؤں کا پیچھا کرکے انہیں گرفتار کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔

فضائی حملے میں غلطیاں ہوئیں، امریکہ کا اعتراف

واشنگٹن- امریکی فوج نے کہا ہے کہ افغانستان کے صوبے فرح میں گزشتہ مہینے فضائی حملے میں ہونے والی شہری ہلاکتوں کی وجہ سے فوجی ضوابط کی خلاف ورزی ہوسکتی ہے۔ امریکی حکام نے فرح میں چار مئی کو طالبان پر ہونے والے سات حملوں کے بارے میں تحقیقات کے بعد کہا کہ ان میں سے تین میں عسکری رہنما اصولوں کی پابندی نہیں کی گئی۔ رپورٹ میں تسلیم کیا گیا کہ حملوں میں چھبیس شہری ہلاک ہوئے تھے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ ہلاک ہونے والوں کی تعداد اس سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔ افغانستان کی حکومت نے کہا ہے کہ ان حملوں میں ایک سو چالیس لوگ ہلاک ہوئے تھے۔

امریکا اور افغانستان کی حکومتوں کے درمیان ان حملوں کے بعد سے ہلاک ہونے والے شہریوں کی تعداد کے بارے میں اختلافات چل رہے تھے۔

امریکی رپورٹ میں فرح پر حملے کا دفاع کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ طاقت کا استعمال دشمن سے لاحق خطرے سے نمٹنے کے لئے ضروری تھا۔ رپورٹ میں مزید لکھا ہے کہ لیکن شہریوں کی موجودگی کا پتہ نہ چلنا اور ان کو نقصان نہ پہنچنے دینا یا اسے کم سے کم رکھنے میں ناکامی نادانستہ نقصان کی وجہ بن گئیں۔

رپورٹ میں کہا گیا کہ آخری تین حملوں میں جو رات کی تاریکی میں ہوئے واضح ہدایات سے انحراف کیا گیا تھا۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا کہ ان حملوں میں ہلاک ہونے والوں کی صحیح تعداد کے بارے میں کبھی بھی معلوم نہیں ہوسکے گا کیونکہ تحقیقات شروع ہونے سے قبل ہی بہت سے لوگوں کو دفنا دیا گیا تھا۔

امریکہ اور ناٹو دونوں کا کہنا ہے کہ کسی بھی جنگ میں شہری ہلاکتوں سے بچنا ان کی ترجیحات میں شامل ہوتا ہے۔

ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کے تعلیمی وظیفے

دہلی- ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی نئے تعلیمی سال کے لئے قرض وظیفے جاری کرنے کے واسطے درخواست طلب کرتی ہے۔ صرف وہی مسلم طلباء وطالبات درخواست بھیجنے کے مجاز ہوں گے جنہوں نے دسواں درجہ (میٹرک) کم از کم ۸۰ فیصد یا بارہواں (انٹر) یا اس کا مساوی امتحان ۷۵ فیصد یا گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کم از کم ۷۰ فیصد نمبروں سے پاس کیا۔ وظیفے کا فیصلہ انگریزی اور معلومات عامہ میں امتحان اور انٹرویو کی بنیاد پر کیا گیا۔ وظیفہ میٹرک پاس کو ۳۵۰ روپئے انٹر پاس کو ۵۵۰ روپئے، گریجویٹ کو ۸۰۰ روپئے اور پوسٹ گریجویٹ کو (ریسرچ کے لئے) ۱۲۰۰ روپئے ماہانہ دیا جائے گا۔ وظیفے کے حقدار ٹھہرائے جانے والے طلبہ کو بانڈ بھرنا ہوگا۔

اس اسکیم کے تحت ۱۹۸۶ء سے اب تک ۴۶۳ مسلم طلبہ وطالبات فیضیاب ہوچکے ہیں۔ غیر ملکی طلبہ کو یہ وظیفہ نہیں دیا جاتا ہے۔ جو مسلم طلبہ یہ وظائف پانے کے خواہشمند ہیں اور جن کا ارادہ ہے کہ وہ تعلیم کا سلسلہ عصری تعلیم کے کسی تسلیم شدہ ادارے میں کم از کم ۲۰۱۱-۲۰۱۰ء کے تعلیمی سال تک جاری رکھیں گے، وہ جامعہ ہمدرد کی ویب سائٹ www.jamiahamdard.edu سے درخواست فارم ڈاؤن لوڈ کرسکتے ہیں یا سکریٹری، ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی، تعلیم آباد، سنگم وہار، نئی دہلی پن کوڈ ۱۱۰۰۶۲ کے نام خط بھیج کر درخواست فارم منگواسکتے ہیں۔ بھرے ہوئے فارم ۱۹/ستمبر ۲۰۰۹ء تک وصول کئے جائیں گے۔

بھنڈارہ میں اجتماعی نکاح کی یادگار اور مثالی تقریب

بھنڈارہ- مسلم نکاح کمیٹی بھنڈارہ کے زیر اہتمام ۲۴/مئی کو گاندھی ودیالیہ کے وسیع گراؤنڈ پر ۲۱ غریب مسلم لڑکیوں کے نکاح سادگی سے ہوئے۔ تقریب میں دس ہزار سے زائد مرد وخواتین نے شرکت کی ان میں کچھ ہندو اور دلت معززین شہر بھی شامل تھے۔ حسب معمول کیف نوگانوی صاحب نے جلسہ کو مخاطب کیا۔ قرآنی آیات واحادیث کے حوالہ سے موصوف نے اُسوہ نبویؐ کی پیروی کرتے ہوئے سادہ طریقے سے نکاح کرنے، مہر ادا کرنے، غیر اسلامی رسموں فضول خرچیوں اور اسراف سے بچنے کی تلقین کی۔ سچر کمیشن رپورٹ کا حوالہ دیا کہ مسلمان تعلیمی، معاشی، سماجی حیثیت سے سب سے نیچے گرگئے ہیں موصوف نے کہا مسلمان شادیوں کی غیر اسلامی رسموں اور فضول خرچیوں میں سالانہ اربوں روپئے برباد کرتے ہیں۔ اس رقم کو بچوں، بچیوں کی دینی ودنیوی تعلیم، یتیموں، بیواؤں اور غریبوں کی مدد کے طور پر خرچ ہونا چاہئے۔ کیف صاحب نے اتحاد ملت کی ضرورت واہمیت واضح کرتے ہوئے کہا کہ یہ دینی فریضہ بھی ہے اور حالات کا تقاضا بھی ہے کہ مسلمان متحد ومنظم ہوں۔ مل جل کر اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ دین وملت کی، وطن وانسانیت کی خدمت کریں۔

سردار پورہ فسادہ معاملہ میں فرد جرم

احمد آباد- ایک خصوصی فاسٹ ٹریک عدالت نے گجرات کے مہسانا ضلع کے مقام سردار پورا میں ۲۰۰۲ء میں گودھرا آتش زنی کے بعد ہوئے فسادات کے سلسلے میں ۷۳ افراد پر فرد جرم عائد کردی۔ ایک ملزم پر بعد میں فرد جرم عائد کی جائے گی البتہ باقی دو ملزمان میں سے ایک کی موت ہوچکی ہے۔

دعائے مغفرت

بیجاپور- میرے والد جناب جے آئی بگالی کا گزشتہ جون کو یہاں ۷۴ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ وہ جماعت کے قدیم رفیق اور تحریکی اخبارات وجرائد کے یہاں ایجنٹ تھے۔

عبدالحلیم بگالی

مرحوم کیلئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

سنہرے حروف

(عبدالمالک مجاہد)

اس کتاب میں نبی اکرمؐ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین، ائمہ عظام، فقہائے کرام، سلف صالحین، نیک طینت خلفاء وسلاطین، صلحائے امت، سپہ سالاران اسلام اور مجاہدین صف شکن کی سیرت اور کردار جو مسلمانانِ عالم کیلئے مشعل راہ ہیں، کے دلچسپ اور سبق آموز واقعات دلکش پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔ صفحات: 400 ☆ قیمت: -/150

مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

پہلی منزل، ریحان مارکیٹ، صدر چوک، مئوناتھ بھنجن، مئو (یوپی) ۲۷۵۱۰۱

Maktaba Al-Faheem
1st Floor Raihan Market Dhobia Imli Road
Sadar Chowk Maunath Bhanjan (U.P.) 275101
Ph: 0547-2222013 (S) Mob.9889123129/9236761926

اُردو ادب میں سَرقہ کی بدترین مثال

(اُردو میں جاسوسی ادب کے معیار ابن صفی کے حوالے سے)

محمد عارف اقبال
مدیر، اردو بک ریویو، نئی دہلی۔ ۲

ادب میں مصنف کے حقوق کی پامالی کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جب یورپ میں مصنفین کے حقوق کے تحفظ کا احساس پیدا ہوا تو ۱۸۸۶ء میں سب سے پہلے یورپی ممالک کے مابین برن کنونشن کے معاہدے ہوئے اور اسی معاہدے کا نتیجہ تھا کہ ساری دنیا میں رفتہ رفتہ مصنف و تخلیق کار کے حقوق کے تحفظ کا قانون بنایا گیا۔ ''کتاب کی تاریخ'' کے مصنف شایاں قدوائی رومن عہد میں تحفظ تصنیف واشاعت کے حقوق پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

''رومن عہد میں جبکہ چرمی پارچوں پر ہاتھ سے کتابت ہورہی تھی یا قرون وسطیٰ میں آگے چل کر جب کاغذ پر کتب نویسی کا دور تھا، مصنفوں کے ساتھ دھوکہ بازی اور ان کی محنت کا سرقہ ناشرین کتب بھی کرتے تھے اور گھٹیا مصنفین بھی۔ چھاپے خانوں کے وجود میں آجانے کے بعد بھی بہت عرصے تک اس بدعنوانی کا سلسلہ جاری رہا''۔ (صفحہ ۱۳۱، مطبوعہ اردو ترقی بورڈ، نئی دہلی)

اردو ادب میں سرقہ یا چوری کے متعدد طریقے اختیار کئے جاتے رہے ہیں۔ مثلاً کسی شاعر کی غزل کا شعر، مصرع اور ردیف وغیرہ کا سرقہ، کسی کہانی کے بنیادی کردار و پلاٹ کا سرقہ، کسی کے دیوان کو اپنا دیوان بنالینا، کسی کی تخلیق کو اپنی تخلیق قرار دینا، کسی مصنف کی اجازت کے بغیر اس کی کتاب وتخلیقات کی اشاعت وغیرہ۔ اس کے ساتھ ہی کسی کے نادر خیال کو من وعن چرا لینے کا ہنر بھی ادب میں داخل ہوا۔ حتیٰ کہ پی ایچ ڈی کے مقالوں کا سرقہ بھی موضوع و عنوان میں جزوی تبدیلی کے بعد ممکن بنالیا گیا ہے۔ دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ اس طرح کے مسروق مقالے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی تفویض کی جانے لگی ہے۔ تحقیق میں حوالہ جاتی کتابوں (Bibliography) کا سرقہ بھی عام ہوگیا ہے یعنی ایک موضوع کے تحت درجنوں حوالے نقل کردیئے جاتے ہیں لیکن محقق حوالہ میں پیش کی گئی کتابوں کی صورت سے بھی ناآشنا ہوتا ہے۔ عہد حاضر میں نصابی کتابوں کی تیاری میں بھی سرقہ کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔

بیسویں صدی کے اردو ادب میں اوریجنل ناول نگاری کے حوالے سے ابن صفی (آمد: ۲۶/ اپریل ۱۹۲۸ء، رخصت: ۲۶/ جولائی ۱۹۸۰ء) کا نام بے حد نمایاں ہے۔ وہ ایک بلند پایہ انشا پرداز، طنز ومزاح نگار اور اعلیٰ درجے کے شاعر تھے۔ ان کو اردو ادب میں جاسوسی ادب کا معمار بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ جاسوسی ناول نگاری کا آغاز انھوں نے ایک منصوبے کے تحت کیا تھا۔ وہ ادب میں مقصدیت کے قائل تھے۔ ادب کے نام پر معاشرے میں سرایت کی جانے والی بداخلاقی، جنسی بے راہ روی اور فحاشی کے رجحان کو وہ شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اردو زبان عام ہو مگر اخلاقیات کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ وہ ایک باکردار، بااخلاق، منظم اور باشعور سماج کا ادراک رکھتے تھے۔ ان کو جرائم سے نفرت تھی۔ قانون کا احترام ان کی تحریروں کا بنیادی نکتہ ہے۔

مارچ ۱۹۵۲ء میں جب ابن صفی کا پہلا ناول فریدی اور حمید کے بنیادی کردار پر مشتمل ''دلیر مجرم'' الہ آباد سے شائع ہوا تو پھر انھوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور اپنا ادبی سفر کراچی ہجرت کرنے کے بعد بھی بڑی کامیابی سے جاری رکھا۔ فریدی، حمید کے کردار پر تقریباً ۴۵ ناول کی شہرۂ آفاق کامیابی کے بعد ۱۹۵۵ء میں انھوں نے عمران کا اچھوتا کردار تخلیق کیا، پھر تو ان کا قلم سرپٹ دوڑنے لگا۔ ان کے ہر نئے ناول کا انتظار اردو دنیا کے قارئین شدت سے کرنے لگے۔ سری ادب میں یقینی طور سے وہ قلم کے جادوگر تھے جن کی تحریریں اپنے قارئین کے دلوں پر حکومت کرتی تھیں۔ لوگ ناول کے شوق میں اردو زبان وادب کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ اردو زبان پر چھا جانے والی مایوسی کے بادل چھٹنے لگے۔ ان کے قارئین میں طلبا واساتذہ کے علاوہ انجینئر، ڈاکٹر، پروفیسر، سیاستداں، صحافی، تاجر، ادیب، شاعر، نقاد بھی تھے۔ بعض ریٹائرڈ پروفیسرز آج بھی اعتراف کرتے ہیں کہ انھوں نے ابن صفی کے ناولوں کے مطالعے سے اردو سیکھی۔

ابن صفی کے قلم کی سرعت کا اندازہ کیجئے کہ انھوں نے مارچ سے دسمبر ۱۹۵۲ء کے دس مہینوں کے عرصے میں فریدی، حمید سیریز کے گیارہ ناول لکھے۔ اسی طرح ۱۹۵۳ء اور ۱۹۵۴ء کے چوبیس مہینوں میں فریدی، حمید اور انور، رشیدہ کے کرداروں پر مشتمل ان کے پچیس شاہکار ناول شائع ہوئے۔ ۱۹۵۵ء میں ایک طرف انھوں نے فریدی حمید سیریز کے گیارہ شاہکار ناول لکھے تو دوسری طرف ان کا تخلیقی اور زرخیز ذہن ایک نئے کردار ''عمران'' کی تخلیق میں مصروف تھا۔ لہٰذا اکتوبر ۱۹۵۵ء میں انھوں نے ''خوفناک عمارت'' لکھ کر عمران سیریز کے سلسلے کا باضابطہ آغاز کردیا اور دسمبر تک عمران سیریز کے مزید دو ناول منظر عام پر آئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں الہ آباد کے نکہت پبلی کیشنز سے ابن صفی کے ناولوں کا سرکولیشن ایک لاکھ کو تجاوز کر گیا تھا۔

ایشیا میں ابن صفی کی اس مقبولیت اور ان کی تحریروں کی سحر انگیز شہرت سے زوال آمادہ اردو ادب کے پروردہ ادیبوں میں حسد اور رقابت کا جذبہ پروان چڑھنے لگا۔ چنانچہ ابن صفی کے نام کو کیش کرانے کے لئے متعدد نقال مصنفین (ghost writers) وجود میں آئے اور انھوں نے ابن صفی کے قارئین کو رجھانے کی ناکام کوششیں شروع کردیں۔ خاص طور سے ابن صفی کی علالت کے دوران (۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۲ء) نقال مصنفین خودرو جھاڑیوں کی طرح پیدا ہونے لگے کیونکہ اس دوران میں ان کا کوئی ناول منظر عام پر نہیں آسکا۔ اس دور میں صفی کے نام پر کچھ لوگوں نے این صفی، ابوصفی، اور سیفی بی اے وغیرہ کے نام سے عمران کے کردار کو تختہ مشق بنایا۔ ایسے میں خواتین کیوں پیچھے رہتیں، چنانچہ نجمہ صفی اور نغمہ صفی بھی پیدا ہوگئیں۔ ایسے سارے جعلی صفیوں نے اپنی سی کوشش کرڈالی لیکن ان کی اشاعت کبھی ایک ہزار سے زائد نہیں ہوپائی، اس لئے کہ زیادہ تر لکھنے والوں کا مطالعہ وسیع نہیں تھا، دوسرے ان کی تحریروں میں وہ دلکشی، سلاست اور روانی نہیں تھی جو ابن صفی کے ناولوں کا خاصہ ہے۔

ابن صفی نے ان گنت صفیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک بار کہا تھا: ''رہی مختلف قسم کے ابنوں اور صفیوں کی بات تو بیچارے سارے قافیے استعمال کرچکے ہیں، لہٰذا اب مجھے کسی 'ابن خصی' کا انتظار ہے۔ میری دانست میں تو صرف یہی قافیہ بچا ہے۔ کوئی صاحبہ (اسی قافیہ والی) عرصے سے غلط فہمی پھیلا رہی ہیں کہ وہ میری کچھ لگتی ہیں۔ لیکن یقین کیجئے کہ میرے والد صاحب بھی ان کے جغرافیے پر روشنی ڈالنے سے معذور ہیں۔ واللہ عالم بالصواب''۔ (پیش رس، ڈیڑھ متوالے)

تین سال کے بعد ''ڈیڑھ متوالے'' کے ہی پیش رس میں ابن صفی بڑے دکھ کے ساتھ لکھتے ہیں: 'ادھر یاران طریقت تھے کہ طرح طرح کی افواہیں پھیلا رہے تھے۔ ابن صفی پاگل ہوگیا ہے، کاٹنے دوڑتا ہے۔ ابن صفی نے پینے کی حد کردی تھی (حالانکہ میری سات پشتوں میں بھی کسی نے نہ پی ہوگی) اس لئے ایک دن نروس بریک ڈاؤن ہوگیا۔ ابن صفی کا کسی سے عشق چل رہا تھا اس نے بے وفائی کی، دل شکستہ ہوکر گوشہ نشیں ہوگیا۔ (حالانکہ گھٹیا قسم کے عشق کا تصور ہی میرے لئے مضحکہ خیز ہے) آخری اطلاع یہ تھی کہ ابن صفی کا انتقال ہوگیا۔ اس خبر پر سچ مچ دل اس طرح بھر آیا تھا جیسے میں خود ہی ابھی ابھی ابن صفی کو مٹی دے کر واپس آیا ہوں، پھر درجنوں ابن صفی پیدا ہوگئے جو اب بھی بہ فضل تعالیٰ بقید حیات ہیں اور دھڑلے سے میرے کرداروں کی مٹی پلید کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک تو ایسا ہے جس نے فحاشی کی حد کردی۔ حمید اور فریدی کو بھی بدچلن بنا کر رکھ دیا۔ سوچئے اور سر دھنئے، خدا ان سبھوں کی مغفرت فرمائے اور مجھے صبر جمیل کی توفیق عطا کرے''۔

ابن صفی حساس طبیعت تو تھے ہی نرم دل اور اعلیٰ ظرف کے حامل بھی تھے۔ ''سبز لہو'' کے پیش رس میں لکھتے ہیں:

''چھوٹے موٹے پبلشرز کے خلاف اگر میں نے کوئی کارروائی کی بھی تو وقت کی بربادی کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا...... برصغیر کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ فریدی، حمید، عمران اور قاسم وغیرہ میرے ہی تخلیق کردہ کردار ہیں۔ میری طویل علالت کے دوران میں بعض پبلشروں کو موقع مل گیا کہ وہ میرے کرداروں پر ناول لکھوا کر فروخت کریں۔ صحت یاب ہوا تو ایسے پبلشروں کی کثیر تعداد نظر آئی، کس کس کے خلاف کارروائی کرتا''۔

تاہم ظفر اور جیمسن جیسے کردار کے متعلق ابن صفی کہتے ہیں:

''ہر شعبۂ زندگی میں ہماری قوم کا کردار یہی بن گیا ہے کہ دکھ سہیں بی فاختہ اور کوے انڈے کھائیں، اپنے پڑھنے والوں سے گزارش ہے کہ اگر کوئی ایسی کتاب ان کے ہاتھ لگے جس میں کسی نقال نے ظفر الملک یا جیمسن کے بارے میں کچھ لکھا ہو تو مجھے فوراً مطلع کریں۔ میں ان حضرات کی یہ خوش فہمی بھی دور کردینا چاہتا ہوں کہ ان کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی جاسکتی''۔

اندازہ ہوتا ہے کہ ابن صفی اپنے نقالوں کو محض دھمکی دینے پر اکتفا کرتے تھے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلیں، اپنے تخلیقی ذہن کو بروئے کار لائیں اور کسی دوسرے کے کردار پر شب خون نہ ماریں، لیکن اس معاملے میں ابن صفی کی اول ذکر بات ہی درست ثابت ہوئی کہ ''دکھ سہیں بی فاختہ اور کوّے انڈے کھائیں''۔ ابن صفی کو کہاں فرصت تھی کہ وہ اس جھمیلے میں پڑتے، جس قوم سے ان کا تعلق تھا ان میں دشمنوں سے زیادہ دوستوں نے انہیں زک پہنچایا۔ انتہا یہ کہ خود کو ابن صفی کا نام نہاد شاگرد کہنے والوں نے بھی ابن صفی کے شاہکار کردار عمران کا پیچھا نہیں چھوڑا اور اپنی کم علمی کے سبب ''عمران'' کی مٹی پلید کرتے رہے۔ کاش وہ جاسوسی ادب میں اپنی راہ خود نکالتے تو یقینی طور سے ابن صفی کے شاگرد ہونے کے حقیقی حقدار کہلاتے!

> **اگر ابن صفی یورپ میں پیدا ہوئے ہوتے تو کیا ان کے کسی کردار کو وہاں کا کوئی مصنف سرقہ کرنے کی جرأت کرسکتا تھا؟ کیا یورپ میں کسی ایسے مصنف کا ذکر ملتا ہے جس نے شرلاک ہومز اور ڈاکٹر واٹسن کے کردار کو اپنے ناول میں پیش کرنے کی جرأت کی ہو؟ بات وہیں آتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں مجموعی طور پر ہمارا قومی کردار اتنا سطحی، مفاد پرست اور منافقانہ ہوگیا ہے کہ ہمارے اندر نہ کسی کی ذہانت وصلاحیت کے اعتراف کی جرأت پائی جاتی ہے اور نہ ہی ہمارا تخلیقی ذہن اپنی راہ خود بنانے کا حامل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاص طور سے برصغیر میں قومی سطح پر زندگی کے ہر شعبے میں پستی ہمارا مقدر بنتی جارہی ہے۔**

معروف نقاد پروفیسر عبدالمغنی مرحوم نے ''اردو ادب میں دانشوری کی روایت'' کے عنوان سے لکھے اپنے ایک مضمون میں ابن صفی کے بارے میں لکھا ہے: ''جاسوسی ناول نگاری میں ابن صفی انگریزی میں شرلاک ہومز کے خالق، کونن ڈوائل کی سطح پر ہیں''۔ (انداز تنقید، اشاعت ۲۰۰۷ء، ص ۱۰۶)

اگر ابن صفی یورپ میں پیدا ہوئے ہوتے تو کیا ان کے کسی کردار کو وہاں کا کوئی مصنف سرقہ کرنے کی جرأت کرسکتا تھا؟ کیا یورپ میں کسی ایسے مصنف کا ذکر ملتا ہے جس نے شرلاک ہومز اور ڈاکٹر واٹسن کے کردار کو اپنے ناول میں پیش کرنے کی جرأت کی ہو؟ بات وہیں آتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں مجموعی طور پر ہمارا قومی کردار اتنا سطحی، مفاد پرست اور منافقانہ ہوگیا ہے کہ ہمارے اندر نہ کسی کی ذہانت وصلاحیت کے اعتراف کی جرأت پائی جاتی ہے اور نہ ہی ہمارا تخلیقی ذہن اپنی راہ خود بنانے کا حامل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاص طور سے برصغیر میں قومی سطح پر زندگی کے ہر شعبے میں پستی ہمارا مقدر بنتی جارہی ہے۔ بالخصوص گزشتہ ساٹھ برسوں کے دوران اردو زبان سے وابستہ بیشتر افراد (ادیب، ناول نگار، شاعر اور اردو کتابوں کے ناشر) کا کردار بے حد مشتبہ رہا ہے۔ ابن صفی اپنے ناول ''گیارہ نومبر'' کے پیش رس میں لکھتے ہیں: ''...... اب آیئے بیچارے مصنف (ابن صفی) کی طرف کہ اسے بہت دنوں کے بعد وہی پرانا مرض لاحق ہوگیا ہے، لیکن اس بار بنگلہ بھاشا میں ہوا ہے یعنی مشرقی پاکستان کے دو پبلشروں نے میرے کچھ ناولوں کا بنگلہ ترجمہ چھاپا ہے اور اس پر میرے نام کی بجائے 'مراد پاشا' اور 'آلک باری' رسید کردیا ہے یعنی اردو میں تو صرف چوریاں ہوتی تھیں لیکن بنگلہ میں تو ڈاکہ پڑا ہے، مجھ پر۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہی غریب کیوں ایسوں کے ہتھے چڑھتا ہے۔ (اسے صنعت تجاہل عارفانہ کہتے ہیں)

ان پبلشروں کے خلاف قانونی کارروائی کی جارہی ہے اور انشاء اللہ انہیں کراچی کی عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا۔

سنا ہے کراچی میں کوئی گجراتی اخبار عمران سیریز کا کوئی ناول نہ صرف چھاپ رہا ہے بلکہ کرداروں کی ایسی قلمی تصاویر بھی وہ اخبار میں چھاپ رہا ہے جنہیں دیکھ کر بعض 'عمران پسند' آپے سے باہر ہوگئے ہیں! قلمی تصاویر وہ اخبار میں چھاپ رہا ہے اور سلواتیں مجھے سننی پڑ رہی ہیں۔ یہ دوسرا مرض جو مجھے لاحق ہوا ہے۔

اب آپ مشورہ دیجئے کہ عدالتی کارروائی مناسب رہے گی یا گنڈے تعویذ کروں''۔

ابن صفی کو یہ خدشہ لاحق نہیں تھا کہ ان کے اوریجنل ناول کو کوئی من وعن شائع کردے کیونکہ ان کی حیات ہی میں اردو دنیا کے ڈائجسٹوں میں یہ سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ انہیں پریشانی اس بات کی تھی کہ اردو کے جعلی مصنفین اور ناشرین ناجائز طریقے سے دولت حاصل کرنے کے لئے ان کی شہرت کا فائدہ شرمناک حد تک ناجائز طریقے سے اٹھا رہے تھے۔ ابن صفی ''ڈیڑھ متوالے'' کے پیش رس میں لکھتے ہیں: ''کراچی کے ایک ذات شریف نے میرے ناول 'زہریلا آدمی' کے کرداروں کے نام تبدیل کئے اور اسے اکرم الہ آبادی کے نام سے چلا دیا۔ اکرم الہ آبادی بھی خاصے مشہور لکھنے والے ہیں، اس طرح ان کی بھی توہین کی گئی''۔ اس معاملے میں یقینی طور سے کان پور، الہ آباد، لاہور، کراچی اور دہلی کے بعض پبلشروں نے بڑی دہشت گردی مچائی۔ کانپور کے شاہین پبلی کیشنز کے محمد درویش خاں نے فریدی، حمید اور عمران سیریز کے درجنوں ناول اس دیدہ دلیری سے شائع کئے کہ اردو دنیا کی تاریخ میں ایسی مذموم حرکت کا ارتکاب شاید ہی کسی نے کیا ہو۔ اس پبلشر نے خود ابن صفی کی ڈمی کا رول ادا کیا اور فریدی، حمید و عمران سیریز کے درجنوں ناول جعلی مصنفوں سے لکھوا کر شائع کئے۔ ہر ناول کے سرورق پر بڑی بے شرمی سے ابن صفی لکھا حتیٰ کہ ''پیش رس'' کی نقالی بھی کی۔ اس کے شائع کردہ جعلی ناولوں کے چند نام یہ ہیں: معزز الو، آوارہ فرشتہ، شکاری ناگن، لاشوں کے کھنڈر، نغمۂ موت، پتھر کا شکار، حساس مردے، وہ آرہی ہے، انوکھا شکاری، خوش پوش بھیڑیئے، سرخ نشان، منڈولنگا کی واپسی، تصویر کی موت، چاند کی دھوپ، وحشیوں کا حکمراں، خوفناک ٹیلوزودا، موت کی محبوبہ، قہر کا دیوتا، پاگل لڑکے، آنکھ کے قاتل، مرحوم کی موت، متحرک مقبرے، موسیقی کا خون، موت جھپٹتی ہے وغیرہ۔

مذکورہ ناولوں کے علی الرغم ایک ناول ''ڈیڑھ متوالے'' کو شاہین پبلی کیشنز نے اوریجنل نام سے اس وقت شائع کیا جبکہ ''دلچسپ حادثہ'' اور ''بے آواز سیارہ'' سلسلے کا آخری شاہکار ناول ''ڈیڑھ متوالے'' کی اشاعت کا اعلان نکہت پبلی کیشنز، الہ آباد کی طرف سے کیا گیا تھا۔ واضح ہو کہ ''ڈیڑھ متوالے'' ابن صفی کا وہ یادگار ناول ہے جسے انھوں نے اپنی علالت کے تقریباً ڈھائی برسوں کے بعد لکھا تھا۔ ہندوستان میں اس ناول کا اجراء ۲۵/ نومبر ۱۹۶۲ء کو الہ آباد میں آنجہانی لال بہادر شاستری کے ہاتھوں ہوا تھا۔ اس وقت نکہت پبلی کیشنز کے عباس حسینی مرحوم نے شاہین پبلی کیشنز، کانپور کے پرنٹر پبلشر محمد درویش خاں کے خلاف قانونی کارروائی بھی کی تھی۔ پولیس نے شاہین پبلی کیشنز، کانپور کے اسٹور سے جعلی ''ڈیڑھ متوالے'' کی بہت سی کاپیاں بھی ضبط کیں۔

اردو ادب میں سرقہ اور مصنف کے حق پر کسی ناشر کے ڈاکہ ڈالنے کی اس سے بدترین مثال شاید دوسری نہیں پیش کی جاسکتی۔ درویش خاں کے اس ادارے کی طرف سے باضابطہ دو ماہنامے عمران سیریز، کانپور اور حمید۔ فریدی سیریز، کانپور شائع ہوا کرتے تھے۔ یہ ماہنامے RNI کے تحت باضابطہ رجسٹرڈ کرائے گئے تھے۔ ماہنامہ حمید۔ فریدی سیریز کانپور کا رجسٹریشن نمبر 6902/62 تھا۔ مذکورہ دونوں ماہناموں کے تحت ابن صفی کے نام سے جعلی ناول شائع کئے جاتے۔ یہ ناول نقال مصنفین کی طرف سے لکھے جاتے جنہیں دیدہ دلیری کے ساتھ ابن صفی کے نام کی سند دی جاتی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ Ownership declaraton میں ان ماہناموں کے ایڈیٹر کا نام: ابن صفی، قومیت: ہندوستانی اور پتہ کے طور پر 92/57 پورو، ہیرامن، کانپور۔1 درج کئے جاتے۔ محمد درویش خاں (پرنٹر پبلشر) کی طرف سے یہ ڈکلریشن یکم فروری ۱۹۶۴ء کو عمران سیریز کے گیارہویں شمارے میں شائع کیا گیا۔

اس ادارے کے پرنٹر پبلشر محمد درویش خاں کے کریہہ چہرے کا دوسرا روپ بھی ملاحظہ کیجئے۔ نکہت پبلی کیشنز، الہ آباد کی جانب سے جب درویش خاں کی غیر اخلاقی، ناجائز وغیر قانونی حرکتوں کا سخت نوٹس لیا گیا تو اس نے اپنے دونوں ماہناموں میں نکہت پبلی کیشنز الہ آباد کے خلاف نفرت وشر انگیز پروپگنڈے کا آغاز کردیا۔ جلی حرفوں میں شائع ایک علانیہ کچھ اس طرح تھا: ''محترم ابن صفی اور ان کے ادارہ شاہین پبلی کیشنز کی غیر معمولی مقبولیت اور ہردلعزیزی کو دیکھ کر حاسدوں کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔ نقال اور فتنہ پرور پبلشر کے نت نئے شیطانی منصوبے...... لیکن انشاء اللہ اس کے جھوٹ اور مکروفریب کی باطل کہانی زیادہ دنوں جاری نہیں رہ سکتی اور کچھ ہی دنوں بعد اس کو منھ کی کھانی پڑے گی''۔

درویش خاں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ فرضی قارئین کی طرف سے اپنے ماہناموں میں درجنوں تعریفی وتوصیفی خطوط شائع کئے۔ یہ خطوط جن قارئین کی طرف سے لکھے گئے یقینی طور سے جعلی ہی کہے جائیں گے کیونکہ ابن صفی کی اصل تحریروں کا مطالعہ کرنے والے قارئین سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ابن صفی کو کانپور کا باشندہ تسلیم کریں نیز یہ کہ خود درویش خاں کے پیش کردہ ناولوں کے اسلوب اور سطحی طرز نگارش سے گمراہ ہوجائیں۔ ابن صفی کے نام پر درویش خاں کے پیش کردہ ناولوں میں اتنا دم نہیں تھا کہ اسے اصلی ابن صفی کی تخلیق سمجھ لیا جاتا۔ نمونے کے طور پر جعلی ایڈیشن کے ایک قاری کا خط ملاحظہ کیجئے:

''عظیم ابن صفی...... آداب ونیاز!
آج کی ڈاک سے عمران سیریز کا شاہکار 'موت جھپٹتی ہے' موصول ہوا۔ پڑھ کر بہت پسند آیا۔ خدا آپ کو اور آپ کے قلم کو اسی طرح دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور حاسدوں کو یونہی جلن کی آگ جلنا نصیب کرے۔ آمین!
آپ کی ترقیوں کا خواہاں عبداللطیف، بیلگام (کرناٹک) (بحوالہ: ماہنامہ حمید فریدی سیریز، کانپور، بارھواں شمارہ، دوسرا سال)

اس خط کے لب ولہجے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ خط جعلی ہے اور کسی خاص مقصد کے تحت لکھا گیا ہے۔ درویش خاں کی جرأت یا حماقت کی انتہا یہ ہے کہ اس نے ابن صفی کی طرف سے انہی کے لب ولہجے کی نقالی کرتے ہوئے ''پیش رس'' لکھنے کی کوشش کی۔ اس نے جاسوسی ادب کے عظیم مصنف ابن صفی مرحوم کے تخلیق کردہ تمام کرداروں کی نہ صرف مٹی پلید کی بلکہ ان کی حیات ہی میں ذاتی طور پر ابن صفی کو اتنا بڑا نقصان پہنچایا اور ان پر ظلم کیا کہ دنیا کے شاید کسی دوسرے ادیب کے حصے میں اتنی مظلومیت اور بے بسی نہ آئی ہوگی۔ آپ تصور کیجئے کہ ایک ابن صفی (اسرار ناروی) جو ہندوستان کے معروف شہر الہ آباد کے ایک قصبہ نارہ میں پیدا ہوئے، الہ آباد ہی میں جاسوسی ادب کی بنیاد رکھی پھر ۱۹۵۲ء میں بحالت مجبوری کراچی ہجرت کرگئے۔ دوسرے ابن صفی کانپور میں موجود ہیں اور دھڑا دھڑ عمران اور حمید فریدی سیریز کے ناول لکھ رہے ہیں۔ اردو ادب کی یہ کیسی دنیا ہے جہاں اوریجنل ادیبوں کی ڈمی تیار کی جاتی ہے بلکہ کاغذی کلون (Clone) تخلیق کی جاتی ہے اور اسے اصل بنا کر اس طرح پیش کیا جاتا ہے جس طرح دجال اکبر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ڈمی بن کر دنیا کو تہہ و بالا کرنے کی کوشش کرے گا۔ شاید یہ بھی دجالی عہد کا کرشمہ ہے کہ ''انشاء اللہ'' اور ''شیطانی منصوبے'' کے پردے میں اردو ادب میں اتنا بڑا فتنہ برپا کیا گیا کہ شاید شیطان بھی حیران وپریشان ہوگا کہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرا کیونکر پیدا ہوگیا۔ ساٹھ کی دہائی میں جاسوسی ادب کے میدان میں سرقہ، ادبی ڈاکہ زنی اور لوٹ کھسوٹ کا ایسا بازار گرم تھا کہ شاید اردو ناول نگاری کی تاریخ میں ایسا معرکہ کبھی پیش نہ آیا ہوگا۔ جعلی ایڈیشن کے ''ڈمی ابن صفی کی جانب سے لکھے ہوئے ایک ''پیش رس'' کے اقتباس کی دروغ گوئی ملاحظہ کیجئے:

''...... کچھ احباب نے سوال کیا ہے کہ کیا شاہین پبلی کیشنز اپنا ادارہ ہے تو اس کے لئے عرض ہے کہ ان کا سوال ہی دراصل میرا جواب ہے۔ حقیقتاً شاہین پبلی کیشنز میرا نجی ادارہ ہے اور اس ادارے سے آپ کو میری تمام تصنیفات پڑھنے کو ملیں گی ــــ اور کہیں نہیں۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجئے کیونکہ آپ اپنے محبوب کردار علی عمران سے ملنے کے لئے بے چین ہوں گے۔ اس لئے میں آپ حضرات کے بیچ میں کباب میں ہڈی کی طرح نہیں آنا چاہتا، اس لئے آپ علی عمران سے ملئے اور مجھے آئندہ ناول کے لئے رخصت کیجئے۔
آپ کا اپنا
ابن صفی''

(بحوالہ جعلی ناول ''موت کی محبوبہ'' شاہین پبلی کیشنز، کانپور، ۱۹۶۲ء)

اب ذرا ابن صفی (اسرار ناروی) کے ایک ناول ''سبز لہو'' کے پیش رس کا آخری حصہ ملاحظہ کیجئے: ''...... لوگ مشورہ دیتے ہیں کہ گرمیوں میں مری چلے جایا کرو اور میں ان سے بصد خلوص وعدہ کرتا ہوں کہ اگلی گرمیوں میں ضرور چلا جاؤں گا۔ لیکن جہاں گھنٹے بھر بعد ہوا بدلی یہ فلسفہ سوجھا کہ آدمی تو دراصل اپنے ذہن میں رہتا ہے! پھر مری وری کیسی؟ سب چلتا ہے...... پھر موسم میں کوئی تبدیلی آئی اور تارک الدنیا ہونے کو دل چاہنے لگا! کراچی جیسے کاروباری شہر میں تو ایسی آب وہوا نہ ہونی چاہئے۔ پتہ نہیں اللہ کی کیا مصلحت ہے...... ! والسلام
۲/ جولائی ۱۹۶۹ء (ابن صفی)

مذکورہ پیش رس کے دونوں اقتباسات سے ادنیٰ درجے کا طالب علم بھی اندازہ کرسکتا ہے کہ دونوں تحریروں میں اسلوب اور فکر وخیال کے لحاظ سے زمین وآسمان کا فرق ہے۔ نقلی اور اصلی کی پہچان مشکل نہیں۔ پھر اصلی ابن صفی تو کراچی میں مقیم ہیں اور ان کا ڈمی کانپور کا کوئی احمق باشندہ ہے یا خود محمد درویش خاں۔

اسی طرح دہلی کے ایک پبلشر ''مینار پاکٹ بکس'' کا شائع کردہ ایک ناول ''بے کاروں کی انجمن'' کے سرورق پر لکھا ہے: ''عظیم مصنف ابن صفی بی اے کا عظیم شاہکار'' سرورق کی پشت پر ابن صفی کی بلیک اینڈ وہائٹ تصویر دی گئی ہے جس کے نیچے جعلی پبلشر نے اپنی ذلالت پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ کیپشن بھی لکھا: ''جاسوسی ادب کے شہرۂ آفاق مصنف محترم ابن صفی بی اے، جن کی تحریر دوسروں کے لئے باعث تقلید بنی اور آج بھی وہ روشن مینار کی طرح ہیں''۔

معلوم نہیں اس طرح کے اور کتنے ناول مذکورہ پبلشر نے شائع کئے ہوں گے اور بڑی بے شرمی سے ان ناولوں کا خالق ابن صفی کو قرار دے کر اردو عوام کو گمراہ کیا ہوگا۔ اس طرح کے ناولوں کی کھپت عام طور پر جنوبی ہندوستان کے اردو قارئین میں زیادہ تھی اور وہاں کی مقامی اردو لائبریریوں میں اب بھی یہ ناول محفوظ ہوسکتے ہیں۔

ابن صفی نے فریدی، حمید اور عمران سیریز کے جتنے بھی ناول لکھے، عام طور پر کراچی کے بعد نکہت پبلی کیشنز، الہ آباد سے شائع ہوتے رہے۔ ابن صفی کے شائع کردہ اوریجنل ناولوں کی مکمل فہرست اب www.ibnesafi.info ویب سائٹ پر بھی دستیاب ہے۔ اس فہرست میں ''بے کاروں کی انجمن'' یا شاہین پبلی کیشنز، کانپور کے شائع کردہ جعلی ناولوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ہاں ''پاگلوں کی انجمن'' جیسا شاہکار ناول ابن صفی نے ضرور لکھا۔ میرے علم میں نہیں کہ خود ابن صفی مرحوم کو ''مینار پاکٹ بکس'' کی اس مذموم حرکت کے بارے میں اندازہ تھا یا نہیں۔ تاہم ایک بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ابن صفی کی تحریروں کا قاری ''بے کاروں کی انجمن'' کے مواد اور اسلوب سے یقیناً اندازہ کرسکتا ہے کہ اس کے نقال مصنف (ghost writer) کی تحریر پر گمان ہوتا ہے کہ کسی بھیک مانگنے والے کو بادشاہ کا ریڈی میڈ لباس پہنا کر شاہی تخت پر بٹھا دیا گیا ہو۔

ادب میں سرقہ ایک اہم موضوع ہے اور بعض بڑے ادیبوں اور شاعروں کے کسی فقرے یا اقتباس پر بھی سرقہ کا الزام عائد کیا جاتا رہا ہے۔ زندگی کے جملہ شعبہ حیات میں چور موجود رہے ہیں اور ادب میں بھی چوروں کی کمی نہیں۔ تاہم ادب میں سرقہ اسی کو تسلیم کیا جاتا رہا ہے جس کا ارتکاب دانستہ کیا گیا ہو۔ کسی کے افسانے کو اپنے نام سے چھپوانا یا کسی مردہ ادیب یا غیر معروف شاعر کے دیوان کو کسی کا اپنے نام سے چھپوا لینا یقیناً ایک قبیح فعل ہے اور اس کی مذمت کی جانی چاہئے۔ تاہم ایک وقت خاص میں ممکن ہے کہ ایک سے زائد ادیبوں اور دانشوروں کے ذہن وقلب میں کسی خیال کی آمد ہوسکتی ہے اور ایک ہی بات اپنے اپنے ڈھنگ سے ایک سے زائد ادیبوں کی تحریروں میں آسکتی ہے، ایسی صورت میں فی الفور اسے سرقہ کے زمرے میں نہیں رکھا جاسکتا۔ ادبی سرقہ کے لئے سرقہ کی واضح علامات کا موجود ہونا ضروری ہے۔

اردو دنیا میں ابن صفی کی غیر معمولی ادبی خدمات کو بعض ادیب اور نقاد عصبیت کے سبب ادب کا درجہ نہ دیتے ہوں لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان کے ناولوں کے قارئین میں ادیب، نقاد، پروفیسر، شاعر، صحافی، سیاستداں، ڈاکٹر، انجینئر، محقق و اساتذہ بھی شامل تھے۔ یونیورسٹیوں کے بعض نقاد پروفیسر بھی ابن صفی کے ناولوں کے رسیا رہے۔ اس تصویر کا دوسرا رخ یا المیہ یہ ہے کہ اردو ادب میں اس بے حسی کی مثال نہیں ملتی کہ ابن صفی جیسے بلند پایہ ادیب وشاعر کی خدمات کا اعتراف نہیں کیا گیا اور کانپور کے درویش خاں کی ادبی دہشت گردی پر کسی ادیب، نقاد یا یونیورسٹی کے پروفیسر کو توفیق نہ ہوئی کہ اس کا محاسبہ کرتے، دوسری طرف اردو زبان وادب کو گھنا اور تناور درخت بنانے والے ادیب ابن صفی کو ادبی صحرا میں یکہ وتنہا چھوڑ دیا جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اردو ادب کی تخلیق کی نذر تھا۔ بالآخر ہزاروں اشعار کا خالق، ڈھائی سو سے زائد ناولوں کا مصنف اور درجنوں طنزیہ ومزاحیہ مضامین کا انشاء پرداز صرف ۵۲ سال کی عمر میں بڑی خاموشی سے اس دار فانی سے رخصت ہوگیا جس کا قول تھا: ''قرآن کو پڑھو، اس پر عمل کرو ...... اسے علم الکلام کا اکھاڑا نہ بناؤ''۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

●●

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in , dawatnews@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2009-2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)

دل جیتنے کیلئے ضمیر خریدنے کی پالیسی ترک کرنی ہوگی

نیرزیدی (واشنگٹن)

جو باتیں دل جیت لیتی ہیں، دماغ بعض دفعہ ان ہی باتوں کے بارے میں شکوک پیدا کرتا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے مسلم دنیا میں دل و دماغ جیتنے کے عزم کا اظہار سات یا آٹھ برس پہلے کیا تھا۔ صدر جارج بش اور نائب صدر ڈک چینی کی پالیسیاں نہ دل اور نہ ہی دماغ جیتنے کے قابل تھیں۔ کسی ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے اور اس کے لاکھوں افراد کو بے گھر کرنے بلکہ بے گور و کفن سڑانے کے بعد راشن تقسیم کرنے سے دل نہیں جیتے جاسکتے۔

دل ایک علامتی عضو ہے، جسے ہمارے جذبات کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے عملی فنکشن کا احساسات اور جذبات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارے حواس خمسہ تمام کے تمام اپنی اطلاعات دماغ کو بھیجتے ہیں، جو یہ فیصلہ کرتا ہے کہ خبر اچھی ہے یا بری۔ اگر خبر اچھی ہے تو دل زور سے دھڑکتا ہے اور اگر بری ہے تو دل کی دھڑکنیں سست ہوجاتی ہیں۔ جسے ہم دل بیٹھنا کہتے ہیں۔ اگر ہم عملی زندگی سے موازنہ کریں تو حواس خمسہ اطلاعات دماغ کو پہنچتی ہیں جو ایک طرح کا نیشنل انٹیلی جنس ڈائریکٹوریٹ ہے، جو تمام اطلاعات فراہم کرنے کے ادارے یا ایجنسیاں ہیں۔ ہر ایک اپنی مخصوص فیلڈ میں ماہر ہے۔ یہ تمام اطلاعات کی بنیاد پر فیصلے کرتا ہے۔ دماغ کے پاس جتنی معلومات ہوتی ہیں، اس کا عشر عشیر بھی دل کے پاس نہیں ہوتا۔

صدر بارک اوباما دل و دماغ جیتنے کی مہم کے سلسلے میں مشرق وسطیٰ گئے، جہاں ان کی اہم تقریر قاہرہ یونیورسٹی میں تھی۔ یونیورسٹی نے ۳۰۰۰ افراد کو مدعو کیا تھا، جو قاہرہ بلکہ مصر کے اہم حکام اور دانشور تھے۔ جب صدر اوباما نے اپنی تقریر کا آغاز ''السلام علیکم'' سے کیا تو دل کھل اٹھے۔ جب انہوں نے پیغمبر اسلامؐ کے نام کے بعد "Peace be upon him" کہا تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

انہوں نے سامعین کو یقین دلایا کہ وہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور مسلم دنیا کے درمیان تعلقات کے نئے آغاز کی نیت سے آئے ہیں۔ ان کے سامعین ہال میں موجود ۳۰۰۰ افراد تک محدود نہیں تھے، ان کی تقریر مسلم ممالک، امریکہ اور مغرب سمیت غالباً پوری دنیا میں دکھائی گئی۔ لاکھوں، کروڑوں افراد نے اسے دیکھا۔ اوباما نے کہا کہ وہ یہ نیا آغاز باہمی مفاد اور باہمی احترام کی بنیاد پر چاہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے مسلمان باپ کے اسلامی ورثے کا ذکر کیا انڈونیشیا میں اپنے لڑکپن کا ذکر کیا اور بتایا کہ انہیں وہاں کی فجر اور مغرب کی اذانیں اب تک یاد ہیں۔ انہوں نے بڑے فخر سے کہا کہ امریکہ کی ہر ریاست میں مساجد ہیں۔ مسلم سامعین کے دلوں کو یہ بات بھی پسند آئی کہ انہوں نے فلسطینی علاقوں میں اسرائیل کی موجودگی کو قبضہ یا ''Occupation'' قرار دیا اور یہی لفظ عراق میں امریکی فوج کی موجودگی کے لئے بھی استعمال کیا۔

اوباما نے یہ یقین بھی دلایا کہ امریکہ کبھی بھی اسلام کے خلاف جنگ نہیں کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ جس طرح مسلمان کسی ایک Crude Stereotype میں فٹ نہیں ہوتے، اسی طرح امریکہ بھی صرف ''اپنے مفاد میں مگن'' جیسے Crude Stereotype میں فٹ نہیں ہوتا۔ انہوں نے فلسطینیوں کے لئے ایک علاحدہ مملکت کا ذکر کیا۔ اس کے بعد صدر اوباما نے یہودیوں اور ہولوکاسٹ کا ذکر کیا، جس میں تاریخی شواہد کے مطابق ساٹھ لاکھ یہودیوں کو زہریلی گیس کے ذریعہ ہلاک کیا گیا۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ یہودی تھے۔ منکرین ہولوکاسٹ پر تنقید کرتے ہوئے انہوں نے ایران کا نام لئے بغیر اس کی مذمت کی لیکن ہال میں ایک تالی بھی نہیں بجی اور جب انہوں نے بتایا کہ اسرائیل امریکہ کا اتحادی ہے، دوست ہے اور اسرائیل اور امریکہ کے تعلقات Unbreakable ہیں یعنی کبھی نہیں توڑے جاسکتے تو دماغ ماؤف ہوگئے، تمام سامعین خاموش رہے۔

اوباما کا یہ دعویٰ کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے نہ اسلام کے خلاف کبھی جنگ کی ہے اور نہ کبھی کرے گا، لفظی اعتبار سے صحیح ہے لیکن اسلام کے خلاف مٹھی بھر یہودیوں کو جدید ترین اور مہلک اسلحہ سے لیس کرنے کی کیا وجہ ہے؟ دماغ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ آپ اسلام کے خلاف جنگ نہیں کر رہے ہیں بلکہ صرف اسلام کا نام لینے والوں کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ میں اوباما کی نیک نیتی پر شک نہیں کر رہا ہوں کیونکہ یہ انتہائی قبل از وقت ہوگا۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ہم انہیں کم از کم چار برس دیں اور پھر دیکھیں کہ ان کی

باقی صفحہ ۲ پر

احوال وکوائف

شفیق الرحمن

عراق کی سائنس وٹکنالوجی کی وزارت کے زیر اہتمام ملک کی راجدھانی بغداد میں گزشتہ دنوں ایک اہم کانفرنس ہوئی جس میں سائنس وٹکنالوجی کے وزیر کے علاوہ ملک و بیرون ملک کی بڑی بڑی شخصیات شریک ہوئیں، جن سے وزیر اعظم نوری المالکی نے بھی خطاب کیا۔ یہ اس لحاظ سے ایک غیر معمولی کانفرنس تھی کیونکہ اپنے خطاب کے دوران وزیر اعظم نوری المالکی نے ملک کی اس اعلیٰ تعلیم یافتہ برادری سے وطن واپس آنے کی درخواست کی تھی جو اس وقت پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ ان کی ایک بڑی تعداد تو ۱۹۹۰ء کے بعد ملک چھوڑ کر باہر گئی جب عراق پر پہلی مرتبہ امریکہ کی ایما پر اقوام متحدہ نے اقتصادی پابندی عائد کی تھی۔ اس کے بعد ملک چھوڑ کر باہر جانے والوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور ۲۰۰۳ء کے بعد تو کیفیت یہ ہوگئی کہ ملک اپنے ان سپوتوں سے تقریباً خالی ہوگیا اور اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ساڑھے تین لاکھ سے بھی زیادہ ایسے افراد ملک سے باہر 'خدمات' انجام دے رہے ہیں، جن میں سے دس ہزار ڈاکٹر اس وقت برطانیہ میں پناہ گزیں ہیں۔ یہ اپنے اپنے میدان میں مہارت رکھنے والے افراد ہیں، خبر رساں ایجنسی رائٹر کی رپورٹ کے مطابق انجینئروں، ڈاکٹروں، ماہرین تعلیم، سائنس دانوں، ماہرین قانون اور یونیورسٹی کے اساتذہ کی بہت بڑی تعداد نے عافیت اسی میں سمجھی کہ ملک چھوڑ دیا جائے۔ ان میں سے اس وقت کچھ کناڈا میں ہیں۔ کچھ امریکہ میں ہیں۔ کچھ برطانیہ میں ہیں، کچھ ناروے میں ہیں تو کچھ دوسرے مغربی ملکوں میں۔ رپورٹ کے مطابق مذکورہ کانفرنس میں تقریباً ۲۰۰ ماہرین فنون نے حصہ لیا، ان میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ اپنے وطن کی خدمت کرنا چاہتا ہے مگر ہر ایک کی ایک ہی شکایت تھی کہ ملک میں پڑھنے لکھنے کا نہ تو ماحول ہے اور نہ اس کی قدر۔

خلیج کی جنگوں نے عراق کی سیاسی طاقت کو ہی نہیں توڑا اور اس کی عسکری قوت کا ہی خاتمہ نہیں کیا بلکہ ایک جیتی جاگتی تہذیب کو تباہ و برباد کردیا، ایک ایسی آبادی کو تہ و بالا کردیا جو انسانی تہذیب وتمدن کے لئے ایک ورثہ ثابت ہوسکتی تھی۔ عراق کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ خطہ ہمیشہ سے بڑا مردم خیز رہا ہے اور تہذیب وتمدن کا مرکز رہا ہے۔ عراق پر مغربی یلغار نے علم ودانش کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے محض دو برسوں کے دوران یعنی ۲۰۰۵ء اور ۲۰۰۷ء کے دوران ۳۴۰ دانشوروں کا قتل کیا گیا، ایک آسٹریلیائی جریدے Cosmos Magazine کی ایک رپورٹ کے مطابق اس دوران ملک کی تعلیم یافتہ آبادی، معروف سائنس دانوں اور ماہرین طب کا چن چن کر خاتمہ کیا گیا اور یہ کام منصوبہ بند طریقے پر ہوا۔ یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں پر بمباری کرکے انہیں تہس نہس کردیا گیا۔ ایک دوسری رپورٹ میں یہ بتایا گیا ہے کہ ۲۰۰۳ء کے بعد سے عراق کے اندر لوٹ مار اور قتل وغارت گری کا جو سلسلہ شروع ہوا اس میں خاص طور پر اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کو نشانہ بنایا گیا۔ بہتوں کو مار دیا گیا اور بہتوں کو اغوا کرکے کہیں اور پہنچا دیا گیا۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عراق نے ۱۹۷۰ء کے بعد سے تعلیم کے میدان میں جو ترقی کی تھی وہ بے مثال ہے۔ اس معاملہ میں وہ نہ صرف اس خطے میں سب سے آگے تھا بلکہ بعض معاملات میں ترقی یافتہ ملکوں کی برابری کرنے لگا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ملک کے اندر ۲۰ تو سرکاری یونیورسٹیاں تھیں ان کے علاوہ ۴۷ ٹکنیکل ادارے تھے، طلبہ کی تعداد لاکھوں میں تھی، صرف بغداد یونیورسٹی میں طلبہ کی تعداد ۸۰ ہزار سے زیادہ تھی۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر تباہ ہوچکے ہیں، ان حالات میں عراق حکومت کی یہ اپیل بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ●●

بقیہ: فرانس میں مسلم خواتین...

۱۹۲۴ء میں جو پابندی لگائی تھی وہ اب تک برقرار ہے۔ وہاں کی حکمراں جماعت جسٹس اینڈ ڈیولپمنٹ پارٹی بڑی مشکل سے صدارتی محل اور وزیر اعظم ہاؤس میں اسکارف داخل کرانے میں کامیاب ہوئی۔ اس نے بڑی خوبصورتی سے تعلیمی اداروں میں بھی اسکارف باندھنے کے مسئلہ کو حل کردیا تھا لیکن لادینی عناصر نے اس کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہونے دی۔ جرمنی میں بھی حجاب پر پابندی عائد ہے اور بھی کئی ممالک میں حجاب یا اسکارف پر پابندی عائد ہے۔

برقعہ پر جہاں جہاں پابندی عائد کی گئی ہے۔ ہر جگہ اس کی الگ الگ وجہ بتائی گئی ہے۔ مثلاً ہالینڈ میں لا اینڈ آرڈر اور اور شہریوں کے تحفظ کا بہانہ بنایا گیا ہے تو اٹلی میں دہشت گردی کو، ترکی میں اسلامی اقدار وتشخص سے لادینیت کو خطرہ بتایا گیا ہے جب کہ فرانس کے ممبران پارلیمنٹ کی نئی دلیل یہ ہے کہ برقعہ انفرادی آزادی، صنفی مساوات اور سیکولر اقدار کی خلاف ورزی ہے۔ ان کی طرف سے دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ خواتین کو برقعہ پہننے پر مجبور کیا جاتا ہے جو سیکولر اقدار کے خلاف ہے۔ فرانس کے سرکاری ترجمان کے مطابق اگر پارلیمانی کمیشن اس بابت کوئی رپورٹ دے دیتا ہے تو برقعہ پر از روئے قانون پابندی فطری ہے۔ اگر ممبران پارلیمنٹ کی طرف سے اسلامی اقدار یا تشخص کی مخالفت کی جاتی ہے تو ان کی اسلام اور مسلم دشمنی سمجھ میں آتی ہے لیکن ملک کا صدر اس طرح کا غیر جمہوری اور غیر ذمہ دارانہ بیان دے گا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ایک مذہبی علامت کو جو خواتین کو بے حیائی، بے پردگی اور بے راہ روی وغیرہ ان معاشرتی برائیوں سے محفوظ کرتی ہے جن سے اس وقت پورا یورپ پریشان ہے اور نجات کے راستے تلاش کر رہا ہے، غلامی کی علامت کہنا ذہنی دیوالیہ پن ہی نہیں سرکوزی کو مسلم واسلام دشمن ظاہر کرتی ہے۔ حال ہی میں جب امریکی صدر بارک اوباما نے قاہرہ میں عالم اسلام سے خطاب کے بعد فرانس کے دورے کے دوران مسٹر سرکوزی کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس کی اس میں جب انہوں نے ترکی کو یورپی یونین میں شامل کرنے کی وکالت کی تو مسٹر سرکوزی نے فوراً ہی اس کی مخالفت کردی۔ یہ الزام سراسر غلط ہے کہ خواتین کو برقعہ پر مجبور کیا جاتا ہے جیسا کہ فرانسیسی ممبران پارلیمنٹ نے کہا ہے بلکہ خواتین خود ہی شریعت پر عمل کرتے ہوئے پردے کے ساتھ رہتی ہیں۔ فرانسیسی ممبران پارلیمنٹ ہو یا صدر سرکوزی یا جو لوگ برقعہ کے خلاف شور مچاتے ہیں اور اس پر الٹے سیدھے تنازعات کھڑا کرتے ہیں وہ نہ تو برقعہ کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور نہ ہی شریعت کے بارے میں انہیں کوئی جانکاری ہے۔ جس دن وہ اس حقیقت کو سمجھ جائیں گے کہ اسلامی اقدار سماجی، معاشرتی اور دیگر بہت سی خرابیوں سے روکتے ہیں اور ان پر عمل کرنے میں پوری دنیا کی بھلائی ہے وہ اسلامی اقدار پر انگلی اٹھانا بند کردیں گے۔ مسلمانوں کی یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے بارے میں غلط فہمیوں کو بھی دور کریں اور اسلام و مسلم دشمنی کا حل بھی تلاش کریں۔ (ص ن)

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ''دعوت'' ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن

سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیبت اللہ قاسمی عمیر کوثی ندوی، اشرف علی بستوی

دعوت

زر تعاون

اندرون ملک

سالانہ	550/= روپے
ششماہی	280/= روپے
فی شمارہ	5/= روپے
تاحیات/اعزازی	10 ہزار روپے

بیرون ملک

سالانہ	4,000/= روپے
ششماہی	2,000/= روپے
فی شمارہ	30/= روپے

شرح اشتہارات عام شماروں کیلئے

عام شرح	کنٹریکٹ کی شرح
180/= روپے فی سنٹی میٹر فی کالم	150/= روپے فی سنٹی میٹر فی کالم
لوح 1000/= روپے	پورا صفحہ 50,000/= روپے
نصف ½ 26,000 روپے	پاؤ ¼ 15,000 روپے

پوتر قرآن سنگم ہندی انواد، نئے انداز میں

(۱) سائز $\frac{20X30}{8}$ صفحات 864 مجلد، ہدیہ -/250 عمدہ کاغذ، معیاری طباعت

''پوتر قرآن'' (سنگم ہندی انواد مع عربی متن) ترجمہ مولانا محمد فاروق خاں و ڈاکٹر محمد احمد
اس ایڈیشن کو نظر ثانی و اصلاحات کے بعد نئی کمپوزنگ، صاف اور واضح عربی متن اور اسی صفحے پر ہندی ترجمہ آیات نمبر کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

(۲) سائز $\frac{23X36}{16}$ صفحات 752 مجلد، ہدیہ -/150 عمدہ کاغذ، معیاری طباعت

''ہولی قرآن'' (انگریزی ترجمہ مع عربی متن) Holy Quran (with Arabic Text)

مترجم: عبداللہ یوسف علی Abdullah Yusuf Ali

انگریزی ترجمہ قرآن مع عربی متن سورتوں کے تعارف کے ساتھ نہایت عمدہ کاغذ خوبصورت جلد۔

اسلامی لٹریچر، دینی، اصلاحی، دعوتی وتاریخی کتب کے علاوہ قرآن مجید کے تراجم کے لیے رابطہ قائم کریں۔ ہماری فہرست کتب مفت طلب کریں۔

مدھر سندیش سنگم

E-20، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025
فون نمبر 011-26953327, 09212567559
ای میل: madhursandeshsangam@yahoo.co.in

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باپ کی رضا کے ساتھ خداوند عالم کی خوشنودی وابستہ ہے اور باپ کے غصے کی وجہ سے خدا تعالیٰ بھی ناراض ہوجاتا ہے۔ (ترمذی شریف)

UNIQUE CREATIONS
Specialist in Unipole & Structure Hordings
#4, Building No.29/35, 1st Main, Opp. Masjid-e-Husna,
S.R.K. Garden, Jayanagar East, Bangalore-41
E-mail: uniquecreations2008@gmail.com

حکومت سے منظور شدہ ایکسپورٹ ہاؤس
سپر ٹینری لمیٹیڈ
• برنشڈ بف کاف • فیشن اسپل لیدرز • اکل پل اپ • انڈسٹریل سیفٹی بوٹ لیدرز • نو بک • واٹر پروف لیدرز • گارمنٹ نپا • شوانڈ بوٹ اپرز

SUPER TANNERY LIMITED
(A Government Recognised Export House)
187/170, JAJMAU ROAD, KANPUR-208010 (INDIA)
Tel:+91-512-2460137,2465362,2462138,2461079
Fax:+91-512-2460792,2462227,
Email:supertannery@satyam.net.in
Website:www.supertannery.org

جموں وکشمیر یتیم خانہ سری نگر

ایک تعارف

یہ ادارہ ★ دو ہوسٹل چلاتا ہے جن میں چار سو یتیم بچے رہتے ہیں ★ یتیموں کے لئے ایک چیریٹیبل ہائر سکنڈری اسکول چلاتا ہے ★ مختلف آبادیوں میں دستکاری کے ساتھ چیریٹیبل مراکز چلاتا ہے ★ چار سو بیواؤں کو ماہانہ امداد دیتا ہے ★ ایک سو معذور افراد کو مالی امداد فراہم کرتا ہے ★ یتیم بچیوں کو مالی امداد دے کر شادی کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے ★ تعلیم کے لئے سو یتیم بچیوں کی مدد کرتا ہے ★ ہائیر اور ٹیکنیکل تعلیم کے لئے منتخب شدہ یتیم بچوں کی مالی امداد کرتا ہے ★ غریب، نادار اور محتاج مریضوں کی روزانہ امداد کرتا ہے

اس یتیم خانے کا معائنہ کیجئے

اور ہماری عملی خدمات اپنی آنکھوں سے دیکھئے۔ ہر چیز کھلی ہے، حسابات چیک ہوتے ہیں۔ ۰۹-۲۰۰۸ کا بجٹ تقریباً دو کروڑ روپے ہے۔ ہم اپنی یہ خدمات بلالحاظ مذہب وملت پیش کرتے ہیں۔ بس آخرت میں اچھے اجر کی طلب اور دوزخ سے پناہ مطلوب ہے۔

اپنے عطیات اس نام سے بھیجیں

"J & K YATEEM KHANA, A/C No. SB7378"
JK Bank, Chawri Bazar, Delhi-110006

ایس اے بخاری (چیئرمین)
09419059772

Jammu & Kashmir Yateem Khanah (Orphanage)
Bemina - Chatabal Crossing, Srinagar - 190010
Ph.: 0194-2471707, Mob.:09419056249, 09419059133,
Fax:0194-2481056

(سی بی ایس ای سے منظور شدہ انگلش میڈیم سینئر سیکنڈری اسکول)

ایم اے ایف اکیڈمی نوئیڈا

(تسلیم شدہ اقلیتی تعلیمی ادارہ)

تیسرے سال سی بی ایس ای بورڈ امتحان میں

دسویں اور بارہویں کے بیشتر طلباء فرسٹ ڈویژن میں پاس

دسویں جماعت میں سب سے زیادہ نمبر حسب ذیل ہیں:

انگلش	91	کرشما چندر بوس	حساب	95	نمیتا سریواستو
سوشل اسٹڈیز	93	نمیتا شرما	سائنس	94	نمیتا شرما
ہندی	93	مونیکا پردھان	سنسکرت	91	کرشما چندر بوس
اُردو	80	سومیہ علی۔ رقیہ محترم			

طلبہ کا اوسط نمبر 74 فیصد

بارہویں جماعت (سائنس) میں سب سے زیادہ نمبر حسب ذیل ہیں:

انگلش	91	ارمان	حساب	95	چھایا	فزکس	93	ارمان
کیمسٹری	95	ارمان	بایولوجی	87	زینب	کمپیوٹر	90	چھایا
فزیکل ایجوکیشن	93	شفیع الدین	اکنامکس	75	بینتا یادو	اردو	82	قیوم

طلبہ کا اوسط نمبر 75 فیصد

بارہویں جماعت (کامرس) میں سب سے زیادہ نمبر حسب ذیل ہیں:

انگلش	92	رمچا	اکنامکس	84	مبشر	بزنس اسٹڈیز	95	یوگیتا
اکاؤنٹس	78	یوگیتا	فزیکل ایجوکیشن	94	زیبا خاں	اردو	70	صائمہ

طلبہ کا اوسط نمبر 74 فیصد

ہر بچہ کچھ کہتا ہے، ایسی لگن کو سلام

اپنے بچے کے تابناک تعلیمی مستقبل کے لئے آپ بھی ایک صحیح فیصلہ کرسکتے ہیں

XI میں سائنس اور کامرس کلاسوں میں داخلہ شروع

نرسری سے گیارہویں کلاس تک داخلہ کے لئے چند سیٹیں دستیاب

M.A.F. Academy
Senior Secondary School
(An English Medium Minority Institution)
A-43, Sector, 62, NOIDA

Web: mafacademy.com, email:info@mafacademy.com
Phone:+91-120-2400522, +91-120-6545202
Mobile: +91-9810009477

(داخلہ فارم ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کیا جاسکتا ہے)

ضرورت رشتہ

معزز دیندار خان گھرانے کی خوب سیرت، امور خانہ داری میں ماہر تعلیم یافتہ، تفصیل ذیل لڑکیوں کے لئے رشتے مطلوب ہیں:

(۱) عمر ۳۵ سال، قد: پانچ فٹ تین انچ تعلیم: ایم اے، بی ایڈ، ایم فل نٹ (NET)۔ مطلقہ (کوئی اولاد نہیں)

(۲) عمر ۳۳ سال قد پانچ فٹ، چار انچ، تعلیم ایم اے۔ بی ایڈ، ڈپلوما ان کمپیوٹر اپلی کیشن، پبلک اسکول نوئیڈا میں پی جی ٹی۔

لڑکوں کا تعلیم یافتہ دیندار اور برسر روزگار ہونا ضروری ہے۔ دہلی واطراف دہلی بالخصوص مشرقی یوپی سے تعلق رکھنے والے رشتے قابل ترجیح ہوں گے۔ مکمل تفصیل کے ساتھ رابطہ قائم کریں:

Box No. 2869
C/o Sehroza Dawat
Dawat Nagar, D-314,
Abul Fazl Enclave,
Delhi-25 Jamia Nagar, New

مئو کا بنا تیز اثر دار افضلس نورانی تیل

لیبل وکیپ پر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں

بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، خناق، کھانسی، نزلہ، وزکام وغیرہ میں مجرب ومفید ہے

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan-Mau-275101 (U.P.)

تصوّف اور اہل تصوّف

عظیم عالم وفقیہہ مولانا سید احمد عروج قادریؒ کے محققانہ اور عالمانہ قلم سے تصوف اور اہل تصوف سے متعلق پانچ اہم کتابیں

• **اولیاء اللہ**
ولی کے لغوی معنی اور اس کا شرعی انطباق اور اولیائے کرام کے حقیقی واسلامی اوصاف۔
سائز: $\frac{۲۳×۳۶}{۱۶}$ ☆ صفحات: ۵۶ ☆ قیمت: -/Rs.15

• **تصوّف اور اہل تصوّف**
لفظ ولی، ولایت کی لغوی تحقیق، تقوے کی تعریف، انبیائے کرام اور بزرگان دین کے ادب واحترام کی صحیح توضیح، امت مسلمہ کی صورت حال اور صوفیہ کے مختلف گروہوں کا علمی جائزہ اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان کی حیثیت۔
سائز: $\frac{۲۳×۳۶}{۱۶}$ ☆ صفحات: ۳۶۷ ☆ قیمت: -/Rs.140

• **شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی زندگی کا اصلی کارنامہ**
حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کی زندگی کے مختصر حالات اور ان کی دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں کی چند جھلکیاں۔
سائز: $\frac{۲۰×۳۰}{۱۶}$ ☆ صفحات: ۳۲ ☆ قیمت: -/Rs.10

• **اسلامی تصوف**
اسلامی اخلاقیات کا ایک اہم جز 'احسان' کا جامع تعارف۔ اور غلط، بے بنیاد، جاہلانہ اور گمراہ کن تصوف پر بھرپور تنقید۔
سائز: $\frac{۲۰×۳۰}{۱۶}$ ☆ صفحات: ۲۰۷ ☆ قیمت: -/Rs.80

• **حضرت یوسف علیہ السلام قرآن کے آئینے میں**
حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت اور نوجوانوں کے اندر خوش اخلاقی، پاک بازی، صبر، حوصلہ مندی، عالی ظرفی، داعیانہ زندگی اور اولوالعزمی کا جذبہ پیدا کرنے والی ایک عمدہ کتاب۔
سائز: $\frac{۲۰×۳۰}{۱۶}$ ☆ صفحات: ۸۰ ☆ قیمت: -/Rs.30

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

P.O. Box No. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Ph: 26954341, 26971652,26946447 (D) Fax : 26947858
E-Mail : mmipublishers@gmail.com Website:www.mmipublishers.ne